# دینی مدارس کی ضرورت اور جدید تقاضوں کے مطابق نصاب و نظامِ تعلیم

## انتخاب از مقالات

محدث العصر
حضرت مولانا سید محمد یوسف البنوری قدس سرہ


جمع و ترتیب
محمد انور بدخشانی
استاذ الحدیث
جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی



بیت العلم
538/13 جہانگیر روڈ کراچی
فون نمبر: 4925862


## مولانا محمد انور بدخشانی کے دیگر علمی شہ پارے

### عربی کتب



### فارسی کتب



538/13 جہانگیر روڈ کراچی فون نمبر: 4925862
E-mail: bait-ul-elim@usa.net

# دینی مدارس کی ضرورت اور جدید تقاضوں کے
# مطابق نصاب ونظام تعلیم

انتخاب از مقالات


محدّث العصر

**حضرت مولانا سیّد محمد یوسف البنّوری**

جمع و ترتیب

**محمّد انور بدخشانی**

استاذ الحدیث

جامعہ علوم اسلامیہ علاّمہ بنوری ٹاؤن کراچی


ناشر

بیت العلم کراچی

سن اشاعت ........ نومبر 2000ء

کمپوزنگ ........ بیت العلم فون 4925862

باہتمام ........ محمد انس، محمد عمر

ناشر

بیت العلم

مدینہ طہٰ اپارٹمنٹ فلیٹ نمبر G.B.6

گل مہر اسٹریٹ پلاٹ نمبر 13/538

جہانگیر روڈ کراچی

E-Mail:bait-ul-elim@usa.net

دیگر ملنے کے پتے
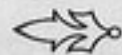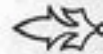
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ لسبیلہ کراچی

اسلامی کتب خانہ نزد جامعہ مسجد بنوری ٹاؤن

زمزم پبلشرز اردو بازار کراچی

مکتبہ محمود نزد جامعہ مسجد بنوری ٹاؤن

دارالاشاعت اردو بازار کراچی

مکتبہ المعارف نزد جامعہ مسجد بنوری ٹاؤن

# فہرست مضامین

## مجلس دعوت واصلاح کا قیام



## جدید تعلیم

**حضرت بنوریؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے مابین طلباء کی اصلاح کے سلسلہ میں خط وکتابت**

## تأثرات

## ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی صاحب مد ظلہم

(شیخ الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی أما بعد:

اللہ تبارک وتعالی نے مخلوق کی ہدایت کے لئے دو سلسلے جاری فرمائے تھے، ایک سلسلہ ارسال الرسل یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی بعثت کا تھا، جس کی ابتداء حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام سے ہوئی تھی اور انتہاء ہمارے نبی اکرم ﷺ پر ہوئی، اور دوسرا سلسلہ انزال الکتب کا تھا کہ شرائع اور احکام کی تفصیل کیلئے اللہ تعالے نے ان انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام پر کتابیں نازل فرمائی۔

ہمارے نبی اکرم ﷺ پر جو کتاب نازل ہوئی تھی (قرآن کریم) نبی اکرم ﷺ نے اپنے اقوال واعمال سے اس کتاب کے احکام کی تشریح فرمائی، اس کو سنت وحدیث کہا جاتا ہے، قرآن وسنت دین اسلام کی اثاث وبنیاد ہیں، انکی تعلیم وتشریح اور حفاظت کیلئے خود نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی میں مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی تھی جس کو "صفہ" کہا جاتا تھا، اور اس میں زیر تعلیم طلباء کو "اصحاب صفہ" کہا جاتا تھا، اس کے بعد سے پھر مدارس دینیہ کا سلسلہ امت میں وراثت کے طور پر متواتر چلا. . ہے، یہ دینی مدارس ہمیشہ شخصی اور نجی ہوا کرتے ہیں اور عام مسلمان ان کے اخراجات کے لئے املاک وقف کیا کرتے ہیں، ہماری تاریخ کی کتابیں ان مدارس کے ذکر سے بھری پڑی ہیں، اس لئے یہ مدارس حکومتوں کے اثر سے

آزاد ہوتے ہیں، اور حکومتوں کے بدلنے یا مختلف انقلابات کا ان پر اثر نہیں پڑتا۔

مدارس دینیہ کا یہ سلسلہ برصغیر میں بھی اسلام کے آنے کے بعد سے جاری ہے، برصغیر میں جب برطانوی استعمار کا تسلط ہوا، اور انگریزوں نے لوگوں کو غلام بنایا تو یہ فکر لاحق ہوئی کہ کس طرح ان کا تسلط ہمیشہ کے لئے قائم ہو اس لئے انہوں نے دینی مدارس کا سلسلہ ختم کرنا چاہا، لیکن برصغیر کے علماء کرام نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی اس سلسلے کو جاری رکھا، جس کی بنا پر الحمد للہ غلامی کے طویل دور میں بھی مسلمانوں کا ایمان، دین، تہذیب و ثقافت محفوظ رہی، اور ان ہی مدارس نے مسلمانوں میں جذبہ حریت وجذبہ جہاد زندہ اور بیدار رکھا، جس کی بنا پر قوم نے انگریزی استعمار کے خلاف قربانیاں دی، اور برصغیر کو آزادی نصیب ہوئی، آزادی کے بعد بد قسمتی سے یہاں ایسی حکومتیں مسلط رہیں جو لادین تھیں، لیکن عام مسلمانوں میں ان مدارس دینیہ کی محنتوں اور اثرات کی بناء پر دین محفوظ رہا اور دین کا جذبہ باقی رہا، اور حکمرانوں کی لادینیت کے اثرات عوام تک نہیں پہنچے، ماضی قریب میں ہمارے مختلف حکمرانوں نے جب ان دینی مدارس کو اپنی راہ اور لادینیت کے فروغ کے لئے رکاوٹ سمجھا تو ان مدارس کے خلاف مختلف پروپیگنڈے شروع کئے، اسی طرح یہود اور امریکہ نے اپنے نئے عالمی نظام اور بندوبست کے سامنے رکاوٹ ان مدارس کو تصور کیا، آج پوری دنیا کی نشریات وابلاغ خصوصاً جو یہود کے قبضے میں ہیں ان مدارس کے خلاف مذموم پروپیگنڈوں میں مصروف عمل ہیں۔

ان مدارس کے خلاف سب سے اہم اور بنیادی پروپیگنڈہ یہ کیا جاتا ہے کہ ان کا نصاب نہایت فرسودہ اور پسماندہ ہے، اور وقت کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا ہے، یہاں سے علوم حاصل کرنے والے علماء کرام کو وقت کے تقاضوں کا علم نہیں، اب مزید یہ کہا جانے لگا کہ ان اداروں میں دہشت گردی اور فرقہ واریت کی تعلیم دی جارہی ہے، اور اب موجودہ



فوجی حکومت کے وزراء کے بیانات بھی اس قسم کے آرہے ہیں کہ ان مدارس کے نصاب میں تبدیلی کی ضرورت ہے، یہ کوششیں بہت پرانی ہیں جس کا ہمیشہ علماء کرام نے دفاع کیا اور ان کے نقطۂ نظر کو غلط ثابت کیا۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے بانی محدث العصر ''حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ'' نے کافی مقالات اور اداریے اور مختلف علماء کرام کو خطوط لکھے جو جامعہ کے ترجمان ماہنامہ ''بینات'' میں شائع ہوتے رہے۔

ہمارے رفیق کار محقق مدقق عالم حضرت مولانا محمد انور بدخشانی دامت برکاتھم، استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن نے حضرت کی بیشمار تحریروں میں سے اس موضوع سے متعلق مضامین وخطوط کو جمع کیا، اور مرتب کرکے امت کے سامنے پیش فرما رہے ہیں، موجودہ دور میں اس کی بہت زیادہ ضرورت اور اہمیت ہے، مولانا موصوف نے واقعی ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، اللہ تعالے حضرت مولانا مدظلہ کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔ (آمین)

وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد واله وصحبه اجمعين

نظام الدین

## تاثرات

# حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف غزنوی صاحب مدظلہم

استاذ الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

"ورئیس التحریر لمجلۃ" البینات "عربی"

"سابق ناظم وخطیب جامعہ دارالعلوم دیوبند"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد:

خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے بعد دین کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالی نے اس امت کے علماء کرام پر عائد فرمائی ہے، اور علماء کرام دینی مدارس ہی میں پیدا ہوتے ہیں، لہذا دینی مدارس دین کی حفاظت کے قلعے ہیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ آجکل بعض معاندین اور دشمنان دین کی طرف سے طرح طرح کے اعتراضات وپروپیگنڈوں اور طعنوں کا ایک سیلاب ہے جو ان مدارس دینیہ کی طرف بہایا جارہا ہے، اور اس بات کی کوشش کیجارہی ہے کہ ان دینی مدارس کو یا تو ختم کردیا جائے، یا انکو حکومت کی تحویل میں دیگر اسکولوں اور کالجوں کے طرز پر چلایا جائے، اور حیرت کی بات یہ ہے کہ ان پروپیگنڈوں سے بعض مرتبہ کچھ دین سے تعلق رکھنے والے سادہ لوح مسلمان بھی متاثر ہوجاتے ہیں، لہذا ان دینی مدارس کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کو اجاگر کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آج سے تقریبا تیس چالیس سال قبل جو دینی مدارس کا تعلیمی اور تربیتی معیار تھا اسمیں آہستہ آہستہ کچھ خامیاں پیدا ہورہی ہیں، اور دن بدن ان خامیوں میں اضافہ ہورہا ہے، اگر بروقت ان خامیوں کو دور کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو ایک عظیم نقصان



ہوگا، اور لادینی حلقوں کو مزید پروپیگنڈوں کا موقع مل جائیگا، لہذا دینی مدارس کے تعلیمی وتربیتی معیار کو بلند کرنے کیلئے ان خامیوں کی نشاندہی اور زمانہ کے تقاضوں کے مطابق مفید اصلاحات کرنا بھی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

اللہ تعالے جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مولانا محمد انور بدخشانی مدظلہم العالی استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کو جنہوں نے اپنی خداداد بصیرت سے وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اپنے استاذ مکرم اور مربی اعظم محدث العصر" حضرت مولانا محمد یوسف بنوری علیہ الرحمۃ" کی مدارس سے متعلق ان تحریروں کو جو متفرق طور پر بکھرے ہوئے موتیوں کی شکل میں موجود تھیں یکجا کرکے بہترین نظم ونسق کے ساتھ ایک خوبصورت ہار کی شکل میں پیش کیا، قارئین حضرات خود اندازہ کرلیں گے کہ محدث العصر حضرت بنوری رحمہ اللہ کی یہ بے مثال تحریریں مذکورہ دونوں ضرورتوں کے لئے کافی اور شافی ہیں، اللہ تعالے اس مجموعہ کو مفید خاص وعام بنائے (آمین)۔

وماذلک علی اللہ بعزیز

کتبہ الحقیر

عبدالرؤف غزنوی

الاستاذ بجامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ بنوری تاؤن کراتشی

۱۴۲۱/۶/۱۲ھ

# حرف آغاز

الحمد لله رب العالمین ، والصّلوة والسلام علی امام المتقین ،
وسیّد المرسلین ، وعلی آله وصحبه وعلماء امّته اجمعین ،

امّا بعد :

مسلمانوں کی پس ماندگی اور علوم اسلامیہ کے روز افزوں تنزل نے ہر ذی شعور ، اور صاحب بصیرت کو پریشان کیا ہوا ہے، ہر ایک اپنے اپنے انداز میں علاج و اصلاح کے طریقوں کی تلاش میں سرگرداں ہے، کوئی قدامت کو تنزل کی علت سمجھتا ہے، کوئی اس کا بنیادی سبب علوم عصریہ سے غفلت کو قرار دیتا ہے، کوئی مغرب سے نفرت کو باعث پس ماندگی گردانتا ہے، کوئی کچھ کوئی کچھ، اسی طرح علوم اسلامیہ و فنون عربیہ میں بھی تنزل کے اسباب بے شمار ہیں، جن میں قلت اخلاص اور راحت پسندی سرفہرست ہے، اس علمی پس ماندگی کی اور بہت سی وجوہات ہیں جن سے اس کتاب میں بحث کی گئی ہے، اس پستی و تنزل کا احساس و ادراک تو کسی نہ کسی درجہ میں ہر ایک کو ہے، لیکن اسکی اصلاح کیسے اور کیوں کر ہو؟ یہ لمحہ فکریہ ہے۔



میرے شیخ و مربی روحانی محدّث العصر علامہ سید محمد یوسف البنوری قدس سرّہ نے (جو زندگی بھر اسی فکر اور اسی تلاش میں رہے) اس تنزل و پس ماندگی کے علاج کے لیے مختلف اوقات میں مختلف تدابیر اور متعدد تجاویز امت کے سامنے پیش کی ہیں، جو وقتاً فوقتاً مجلّہ "بینات" میں "بصائر وعبر" کے عنوان سے چھپتی رہی ہیں، اور عام مسلمان اور خاصکر علماء کرام ان جواہر پاروں سے استفادہ کرتے رہے ہیں، لیکن حضرت بنوریؒ رحمہ اللہ کے اس دار فانی سے کوچ کر جانے کے بعد وہ علمی اور اصلاحی مضامین بھی "بینات" کے مختلف شماروں میں پوشیدہ ہو کر رہ گئے۔

جبکہ دوسری طرف یہ مرض بڑھتا گیا اور علمی و اصلاحی کوششیں ناپید ہونے لگیں، جہل مرکب اور حب دنیا کی وجہ سے بضاعت علمی کا شعور اور احساس بھی رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگا، اور وہ اساطین امت جن کی سرپرستی میں ہم اپنے علم و عمل کی اصلاح کرتے تھے اور علم کے چراغ روشن کیے ہوئے تھے ہم سے جدا ہو گئے۔

اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اپنی اور دوسرے مسلمانوں کی علمی و عملی اصلاح کے لیے میرے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ حضرت بنوری رحمہ اللہ کی تصانیف اور مقالات میں سے علم اور اہل علم، دینی مدارس اور ان کا نصاب و نظام تعلیم وغیرہ سے متعلق مواد جمع کر کے شائع کیا جائے۔

چنانچہ جب میں نے اس کام کا آغاز کیا تو اندازہ ہوا کہ حضرت بنوری رحمہ اللہ کی قیمتی تحریروں میں علماء، مدارس عربیہ، نظام تعلیم، نصاب تعلیم کے بارے میں اور جدید فقہی مسائل کے حل کے سلسلہ میں انتہائی نایاب قیمتی اور علمی مضامین موجود ہیں، چنانچہ میں نے "بصائر وعبر" کی دونوں جلدوں اور "بینات" کے پرانے شماروں میں سے ان مباحث و مضامین کا انتخاب کیا، جو اس مجموعہ کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

قارئین محترم! آغاز کتاب سے قبل یہ عرض کردوں کہ نصاب تعلیم اور نظام تعلیم دو الگ الگ چیزیں ہیں:۔

۱۔"نصاب تعلیم" نصاب زکوۃ کی مانند ایک مرکب اضافی ہے، جس طرح نصاب زکوۃ سے مال کی ایک مخصوص مقدار مراد ہوتی ہے، کہ جس کے مالک بننے کے بعد (شرائط مخصوصہ کے ساتھ) مال کی مخصوص مقدار کو اللہ تعالی کے حکم کے مطابق کسی فقیر یا مسکین کو دینا لازم ہوتا ہے، اسی طرح نصاب تعلیم عبارت ہے علمی مباحث یا کتب کی ایک خاص مقدار سے جو خاص مدت میں پڑھائی جاتی ہے، ہر زمانہ ہر قوم بلکہ ہر علم وفن کے لیے الگ الگ نصاب ہوا کرتا ہے، اس لیے عربوں کا تدریسی نصاب الگ ہے، عجمیوں کا الگ، مغربی علوم وفنون کا نصاب مشرقی علوم سے مختلف ہے، جدید علوم کا نصاب قدیم علوم سے بالکل جدا ہے۔

بدقسمتی سے دنیا بدلنے، اذہان واقدار بدلنے، اوضاع واحوال بدلنے اور قضایا وحوادث بدلنے کے باجود ہمارے علوم وفنون کا نصاب نہ بدلا، علوم شرعیہ میں یہ درست ہے کہ خدا اور سول کا وضع کردہ نصاب بدلنا اسلام کے بدلنے کے مترادف ہے، لیکن علوم شرعیہ کی مختلف الاسالیب کتب کی تبدیلی میں اور مشکل کی جگہ سہل اسلوب اختیار کرنے میں کونسا گناہ کبیرہ ہے؟

حضرت بنوری رحمہ اللہ نصاب کے متعلق تخفیف، تیسیر اور محو واثبات (تبدیلی) کے قائل تھے، جسکی تفصیل آپ حضرت علیہ الرحمۃ کے مضامین میں ملاحظہ کریں گے۔

۲۔ نظام تعلیم عبارت ہے تعلیم وتربیت کے طریقوں کی اصلاح ودرستگی سے، جس میں امتحانات، پڑھانے کا انداز، تعطیلات، تقرری اساتذہ، ہر ایک کا منصب، وظائف وایام رخصت، مسکن وتنخواہ اساتذہ، وغیرہ سب چیزیں شامل ہیں۔



نصاب تعلیم جتنا عمدہ کیوں نہ ہو جب تک کہ نظام تعلیم کو درست کر کے صحیح سمت میں نہ چلایا جائے تو نصاب تعلیم بے کار ہے، ہمارے موجودہ دور میں نظام تعلیم کی بے شمار خامیوں میں سے ایک واضح خامی یہ ہے کہ ہم نااہل اساتذہ کی اصلاح وتبدیلی کو چھوڑ کر بے جان کتابوں کی اصلاح وتبدیلی کے درپے ہیں، کہ ہمارے طلبہ کی کمزوری فلاں کتاب یا فلاں مضمون کی وجہ سے ہے، حالانکہ کتاب کا کوئی قصور نہیں ہوتا بلکہ قصور نااہل ونا تجربہ کار اور راحت پسند استاذ کا ہوتا ہے، اس سلسلہ میں حضرت بنوری رحمہ اللہ کے ان مضامین میں عمدہ تجاویز، انتہائی مفید مشورے، اور کارآمد تجربے آپ کو ملیں گے۔

چونکہ حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی نصاب ونظام تعلیم کے متعلق تمام اہم اور بنیادی اصلاحات موجود ہیں اس لیے میرا مزید کچھ لکھنا تطویل کلام کے سوا اور کچھ نہیں۔

آخر میں یہ عرض کردوں کہ (میرے کثرت مشاغل کی وجہ سے) اس مجموعہ کے منصہ شہود پر لانے میں میرے فرزند محمد عمر سلمہٗ (متعلم جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن) نے قابل ستائش محنت اور لگن کا مظاہرہ کیا، اور اس کام کو تکمیل تک پہنچانے میں میری معاونت کی، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ انکی دنیا وآخرت کی تمام مشکلات کو حل فرمائیں، اور اسے علم صحیح اور عمل مقبول کی دولت عطا فرمائیں (آمین)۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہم سب کو اپنے دین کی صحیح فہم عطا فرمائیں، اور اس پر عمل کرنے اور روئے زمین پر اسے عملاً قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

محمد انور بدخشانی

جامعہ بنوری ٹاؤن

۱۳/۷/۱۴۳۱ھ

## اسلامی حکومتوں کے زوال کے بعد، شعائر دین کی بقاء مساجد و مدارس کی مرہون منت ہے

خلافت راشدہ کا بابرکت دور علم و عمل، صلاح و تقویٰ، فقر و زہد، ایثار و قربانی اور اخوت و مساوات کے لحاظ سے انسانیت کا تابناک دور تھا، جس کے آثار و برکات نے عرصہ دراز تک دنیا کو منور رکھا۔

بعد کے دور میں مسلمان حکمرانوں کی عملی زندگی اگرچہ مجروح ہوتی چلی گئی تاہم اعتقادی پہلو ہمیشہ محفوظ رہا اور امت کی اصلاح اور دینی تقاضوں کی بجا آوری کے لئے "أمر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا کام بھی اپنے صحیح طریق کار اور تسلسل کے ساتھ جاری رہا، آج بھی جبکہ اسلامی حکومت کے دھندلے نقوش بھی تدریجاً مٹتے چلے جارہے ہیں" ھیئۃ الأمر بالمعروف والنھی عن المنکر" کے ادارے تھوڑا بہت کام کر رہے ہیں، مسلم حکمرانوں کی عملی زندگی سے قطع نظر یہ بات بالکل صاف ہے کہ اسلامی تاریخ کے سابقہ ادوار میں اس کا ظہور ترکی میں ہوا، خلافت اسلامیہ کے الغاء کے بعد جو قیادت اُبھری اس نے اسلامی احکام سے علانیہ عداوت کا مظاہرہ کیا، یہاں اس ناخوشگوار بحث کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں، اس کے بعد دوسرے اسلامی ممالک میں بھی اس کا اثر پھیلتا چلا گیا، تاہم بہت سے شعائر اسلام کا احترام اب تک بیشتر ممالک میں باقی ہے، ان ممالک کی بنیادی خرابی یہ تھی کہ اُمر بالمعروف کے اداروں کی سرپرستی مدارس و معاہد کی تاسیس اور مساجد کی تعمیر حکمرانوں کے فرائض میں شامل سمجھی جاتی تھی اور عامۃ المسلمین اس فریضہ سے سبکدوش ہو چکے تھے، جب ان حکمرانوں نے دین اور دینی مسائل سے غفلت یا عداوت کا رویہ اختیار کیا تو ان ممالک میں دین بے سہارا ہو کر رہ گیا، اس کی بنیادیں گرنے



لگیں اور کوئی مؤثر قوت ایسی نہ رہی جو آگے بڑھ کر اسے سنبھالا دیتی۔

البتہ متحدہ ہندوستان اس خصوصیت میں منفرد ہے جو محض حق تعالیٰ کی عنایت کا ثمرہ ہے کہ یہاں جب مسلمان حکمران ختم ہوئے اور نظام اقتدار کفر کے ہاتھ آیا تو اس موقعہ پر اکابر امت کی فراست نے محسوس کیا کہ شعائر دین کی بقاء، دینی اداروں کی تاسیس، مساجد و مدارس کی تعمیر کیلئے اگر عام مسلمانوں کو تربیت نہ دی گئی اور تعلیم و تربیت، فتویٰ و قضاء اور امامت و خطابت کے مناصب کا بطور خاص انتظام نہ کیا گیا تو اس خطہ میں اسلام باقی نہیں رہے گا، حق تعالیٰ نے ان کی مبارک توجہات کو بارآور فرمایا، عام مسلمانوں میں حفاظت دین کا جذبہ بیدار رہا اور اُعداء دین کی دسیسہ کاریوں کے علی الرغم دین جوں کا توں محفوظ رہا۔

(ذی الحجہ، ۱۳۸۸ھ)

## دینی مدارس کی برکت سے دین کا شعور اور خدا پرستی کا احساس بیدار رہتا ہے

یہ علوم آخرت کی درسگاہیں اور ان سے پیدا ہونے والے حاملین علوم انبیاء، علمائے حق، حکومت کے عدم تعاون یا عوام کی سردمہری کی وجہ سے مذکورہ بالا قابل رشک اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں اگر کامیاب نہ بھی ہوں تب بھی ان کے دم قدم کا اتنا فائدہ ضرور ہوگا کہ معاشرہ کے فسق و فجور میں گرفتار افراد، قانون الٰہی اور احکام شرعیہ کی خلاف ورزی، سود خوری، شراب نوشی حتیٰ کہ زناکاری اور فحاشی کے باوجود خود کو گنہگار عند اللہ مجرم ضرور سمجھتے رہیں گے، اور کسی نہ کسی وقت خدا کے سامنے گناہوں کی مغفرت کیلئے ان کے ہاتھ ضرور اٹھتے رہیں گے، بالکل ہی خدا ناشناس درندے اور جانور نہ بنیں گے، اور اس اعتراف گناہ کی بدولت (اگرچہ صرف دل ہی سے ہو) عذاب الٰہی، خدائی قہر اور الٰہی انتقام کا نشانہ نہ

بیٹھیں گے، ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾

ترجمہ: اللہ سے یہ بعید ہے کہ وہ تو اللہ سے مغفرت کی دعائیں کر رہے ہوں اور اللہ ان کو عذاب (آسمانی) میں گرفتار کر دے۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ ایمانی قوت اور اسلامی روح اگرچہ فسق وفجور کی وجہ سے کتنے ہی مضمحل اور کمزور ہو جائے باقی ضرور رہتی ہے اور آڑے وقت ضرور کام آتی ہے (ستمبر ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے) علاوہ ازیں چونکہ ان علماء دین اور حاملین علوم آخرت کی عمر کا وہ حصہ جو فطری طور پر صنعت وحرفت اور ان کے علاوہ دنیوی وسائل معاش کے سیکھنے اور حاصل کا ہوتا ہے، انہی علوم دینیہ کی درس گاہوں اور علوم دینیہ کے حاصل کرنے میں گذر جاتا ہے، اس کے بعد وہ دنیوی اعتبار سے کسی مصرف کے نہیں رہتے، اسلئے قدرتی طور پر انکی معاشی زندگی دین اور دینی خدمات سے وابستہ ہو جاتی ہے خواہ درس وتدریس علوم دینیہ کی صورت میں ہو، خواہ وعظ وتبلیغ کی صورت میں، خواہ مؤذنی وامامت وخطابت کی شکل میں ہو، یا مکاتب قرآن کریم میں حفظ یا ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم کی شکل میں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم اور اس کے معاشرہ میں ان لوگوں کی بدولت کم از کم دین کا شعور اور خدا پرستی کا احساس ضرور بیدار اور باقی رہتا ہے بلکہ قوم کی اکثریت انفرادی طور پر ضرور دیندار اور احکام شرعیہ کی بڑی حد تک پابند رہتی ہے حرام وحلال، طاعت ومعصیت، عذاب وثواب کی تمیز اور کسی نہ کسی درجہ میں خوف خدا اور آخرت ضرور باقی رہتا ہے اور اسکے نمایاں اثرات محفوظ رہتے ہیں اور کسی نہ کسی وقت اس کے برکات ضرور ظاہر ہوتے ہیں۔



## آزاد عربی مدارس کے خاتمہ کے اثرات

اس کے برعکس جن اسلامی ملکوں میں ان آزاد عربی مدارس ومکاتب کا وجود حکومت کے زور سے بالکل ختم کر دیا گیا ہے اور ملک کے تمام مدارس ومکاتب کو دنیوی تعلیم کی درس گاہوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے امامت وخطابت، وعظ وتبلیغ اور درس وتدریس کو حکومت کے کنٹرول میں لے لیا گیا ہے، ان ملکوں میں علوم قرآن وحدیث وفقہ واصول فقہ کے سوتے بالکل خشک ہو چکے ہیں اور اسکے نتیجہ میں زر عیش پرستی کے تسلط کی وجہ سے ایمانی قوت اور دینی روح اور خدا پرستی کا احساس اور چرچا بالکل ہی ختم ہو چکا ہے یا ختم ہوتا جا رہا ہے، اسلام کی جگہ قومیت نے لے لی ہے، خدا کی جگہ مادّی ترقیات پر قابض طاغوتی طاقتوں نے لے لی ہے، قانون الٰہی کی جگہ انسانی ساختہ پرداختہ استعماری یا اشتراکی قوانین نے اور ”امر بالمعروف نہی عن المنکر“ کی جگہ مغربی تہذیب اور اسکے لوازمات موسیقی رقص وسُرور، غِنا، عُریانی فحاشی اور جنسی جذبات کو برانگیختہ اور مشتعل کرنے والی فلموں، ڈراموں اور نام نہاد ثقافتی پروگراموں نے لے لی ہے اور عام طور پر پوری قوم میں خصوصاً نوجوان نسلیں شب وروز ریڈیو پر موسیقی کے نغمے اور دھنیں سننے اور ٹیلیویژن پر عریاں مناظر دیکھنے اور پھر اپنی نجی صحبتوں، مجلسوں یا خلوتوں میں قد آدم آئینوں کے سامنے اس فحاشی اور جنسی آوارگی کی ریہرسل (مشق) اور عملی تجربے کرنے میں مصروف ہے (العیاذ باللہ)۔

## پاکستان کے عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کی ایک وجہ دینی مدارس ہیں

واضح رہے کہ پاکستان کی اس پاک سرزمین پر بطور استہزاء اللہ کے پسندیدہ ”دین اسلام“ کو ”مُلّا ازم“ اور اس کے حاملین علماء حق کو ”مُلّا“ کہہ کر مذاق اُڑانے اور توہین

کرنے والوں پر قہر خداوندی کی بجلی نہ گرنے اور عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کا سبب آیت کریمہ:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾

کی روشنی میں صرف یہ ہے کہ پاکستان کے عوام کے دلوں میں قوت ایمان زندہ اور روح اسلام بیدار ہے، اور اونچے طبقہ کو چھوڑ کر متوسط اور ادنیٰ طبقہ کی اکثریت کسی نہ کسی حد تک، کم از کم انفرادی زندگی میں احکام شرعیہ کی پابندی ہے، چپہ چپہ پر مسجدیں آباد ہیں، پنج وقتہ اذان کی آوازیں گونج رہی ہیں، عربی مدارس میں قال اللّٰہ وقال الرّسول کی آسمان سے رحمت الٰہی کو لانے والی آوازیں بلند ہو رہی ہیں، تفسیر حدیث، فقہ وغیرہ کی کتابیں ادنیٰ سے اعلیٰ تک باقاعدہ پڑھائی جارہی ہیں، اور قانون الٰہی کو زندہ اور محفوظ رکھنے کے لئے حاملین علوم انبیاء تیار کئے جارہے ہیں، مکاتب قرآن جگہ جگہ بے شمار کھلے ہوئے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچے حفظ اور ناظرہ باتجوید اور بے تجوید قرآن پڑھنے میں مصروف ہیں، وعظ وتذکیر کے، خوف خدا اور اور خوف آخرت کو زندہ اور بیدار رکھنے والے ہر ہفتہ وار حلقے (اجتماعات) جمعہ کے جمعہ نماز جمعہ کے بعد قائم ہیں۔

## دعوت وتبلیغ اور دارالافتاء دین کے بقاء کے اسباب ہیں

تبلیغی جماعتوں کے پیار محبت سے کلمہ طیبہ اور نماز پڑھوانے وغیرہ کی غرض سے تبلیغی دورے جاری ہیں، احکام شرعیہ اور مسائل دینیہ بتلانے کیلئے جگہ جگہ دارالافتاء کھلے ہوئے ہیں صرف ان دارالافتاؤں سے زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق مختلف اور متنوع احکام شرعیہ کے استفتاء (سوالات) اور ان کے جوابوں کی ہزاروں لاکھوں تک پہنچنے والی تعداد ہی اس امر کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ اس ملک کا عام مزاج دینی ہے اور غالب اکثریت کے دلوں



میں ہر شعبہ زندگی کے اندر احکام شرعیہ معلوم کرنے کی تڑپ ضرور موجود ہے، اور جہاں تک ملکی حالات مُساعدت کرتے ہیں ان پر عمل بھی کرتی ہے استفتاء (سوال کرنا) اس کی دلیل ہے۔

اور یہ بتلانے کی تو ضرورت نہیں ہر ذی ہوش سمجھتا اور مانتا ہے کہ یہ تمام تر صورتحال صرف انہی حکومت کے کنٹرول سے آزاد عربی مدارس، دینی مکاتب کے برکات اور دولت ورفاہیت پر فقر وافلاس کو ترجیح دینے والے اور اس فقر کو خدا کی رحمت باور کرنے والے حاملین علوم دینیہ علماء حق کی دیرینہ اور مسلسل جدّ وجہد اور انکی مساعی مشکورہ (عند اللّٰہ وعندالناس) کا نتیجہ اور خالق کائنات جل وعلا کی توفیق خدمت دین عطافرمانے کا ثمرہ ہیں۔

اس لئے بھی خاص طور پر ان گستاخ اور دریدہ دہن ملحدوں، بے دینوں اور علوم دینیہ اور علماء دین کو گالیاں دینے والوں اور ان کے ہمنواؤں کو ان حکومت کے کنٹرول سے آزاد علوم دینیہ کی درسگاہوں اور ان سے نکلنے والے علماء، وخدام دین کے پاکستان میں وجود کو مغتنم اور قہر خداوندی سے بچانے والی پناہ گاہیں اور پناہ دہندہ سمجھنا چاہیئے، ورنہ اگر خدانا کردہ اس مسلمان ملک کے عوام وخواص پر بھی وہی عام بے دینی، خدافراموشی، اغراض وخواہشات پرستی اور روحانیت کش مادہ پرستی مسلط ہوجاتی جو دوسرے اشتراکیت نواز مسلم ممالک پر مسلط ہے تو یہ ملک بھی آج دوسرے مسلمان اشتراکیت پسند ملکوں کی طرح کسی نہ کسی صورت میں قہر خداوندی اور انتقام الٰہی کا نشانہ بنا ہوتا، ارشاد ہے:

﴿نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ﴾

ترجمہ: انہوں نے اللّٰہ کو فراموش کردیا تو اللّٰہ نے ان سے خود اپنے نفسوں کو فراموش کرادیا۔

یعنی خالق کائنات، خدافراموش لوگوں کو اس خدافراموشی کے جرم کی سزا دنیا میں یہ
دیتا ہے کہ انہیں خود فراموش بنادیتا ہے تو وہ اپنے بقا و تحفظ کی تدبیریں سوچنے اور اسباب
اختیار کرنے کے بجائے خود اپنی ہلاکت و بربادی کی راہ پر چل پڑتے ہیں اور صفحۂ ہستی سے
مٹ جاتے ہیں، اقوام عالم کے عروج و زوال کی تاریخ اس کی شاہد ہے، یہ انتہائی تباہ کن
انتقام خداوندی ہے، ارحم الراحمین اپنے لطف و کرم سے اس نوزائیدہ اسلامی مملکت کو اس
خدافراموشی کے جرم کے ارتکاب سے اور اس کی پاداش میں اس انتقام الٰہی سے محفوظ رکھے
اور ہماری بداعمالیوں کو معاف فرمائے (آمین)۔

(جمادی الاخری ۱۳۸۷ھ)

## دینی مدارس اور پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے اسباب

حق تعالیٰ شانہ نے محض اپنے فضل و کرم سے مملکت خداداد پاکستان مسلمانوں کو
عطا فرمائی تاکہ اسلام کے صحیح تقاضے بروئے کار آسکیں، عوام نے دل و جان سے اسی مقصد
کیلئے کوششیں کیں، ہر قسم کی قربانیاں دیں، دعائیں کیں، خواص نے بار بار اعلان کیا کہ
متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی دینی آزادی کا مستقبل تاریک ہے، اور نہ یہاں یہ امکان
ہے کہ اقتصادی و معاشی سکون و راحت نصیب ہوسکے، غرض اسلام و کفر دو نظریوں کے
ماتحت یہ مملکت وجود میں آئی اور کروڑوں مسلمانوں نے ہندوستان سے ہجرت کرکے اس
مملکت کو آباد کیا بلاشبہ مسلمانوں نے ابتداء میں بہت کچھ ایثار سے کام لیا اپنی تجارتیں، او
رانڈسٹریز اور دیگر ذرائع معیشت اسباب راحت و سکون کو خیرباد کہا، اپنی عبادت گاہیں،
مسجدیں اور دینی درسگاہیں چھوڑیں، علمی ادارے چھوڑے، نشر و اشاعت کے مراکز کو
الوداع کہا۔

حق تعالیٰ شانہ نے ترک وطن کرنے والوں پر احسان فرمایا ان کو وہاں سے بہتر



مکانات اور کارخانے عطا فرمائے، ان کے ارباب خیر و صلاح نے مسجدیں بنوائیں تاکہ
عوام ان کو آباد کریں، علماء امت کو توفیق عطا فرمائی کہ ہندوستان میں چھوڑی ہوئی دینی
درسگاہوں کے بجائے یہاں متبادل دینی و علمی مراکز بڑے بڑے دارالعلوم و جامعات اور
تعلیم القرآن کے مدارس جاری کیے گئے، تشنگان دین کیلئے دینی مراکز قائم کیے، مشتاقان
علم نبوت کے لئے علمی چشمے جاری ہوئے، کتب خانے اور مطابع قائم کیے، علمی و دینی
کتابوں کے انبار لگ گئے، علوم و معارف کے ذخائر تیار ہوگئے، الغرض سندھ کے
صحراؤں میں علم و معرفت کے چشمے پھوٹ پڑے، پنجاب کی وادیوں میں علم دین کی
بہار آگئی، یہ سب کچھ ان غریب مسلمانوں نے کیا جو اپنا مال و متاع لٹا کر یہاں آئے تھے،
اگر بمبئی کاٹھیاواڑ اور گجرات و برما کے مسلمان تاجر یہاں نہ پہنچتے تو یہ کارخانے
انڈسٹریاں نظر نہ آتیں، اور اگر ارباب علم و دیندار اصحاب ثروت کا طبقہ یہاں نہ پہنچتا تو یہ
مدارس و مساجد و معابد یہاں نہ ہوتے، ان دیندار اور ارباب خیر مسلمانوں کی وجہ سے آج
کراچی میں دو ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں ان میں ایسی مساجد بھی ہیں جن پر دس لاکھ روپیہ خرچ
ہوا، اگر یہ اہل علم نہ ہوتے تو اس مغربی پاکستان میں چھوٹے بڑے ایک ہزار مدرسے نہ
ہوتے۔

بلاشبہ پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی یہی دینی مدارس و تعلیم گاہیں ہیں، پاکستان کی روح
یہی مسجدیں اور دینی ادارے ہیں اگر آج مسلمانان پاکستان کی توجہات و کوششیں نہ ہوتیں تو
دین کا وہی حشر ہوتا جو اسپین میں ہوا۔

## پاکستان کا علمی نظام ارباب دین کی کوششوں کا ثمرہ ہے

خدا را بتلایئے کہ کراچی جیسے عظیم الشان شہر میں کتنی مسجدیں ارباب حکومت نے

بنائیں، کتنی درسگاہیں ہیں جن کو حکومت نے تعمیر کرایا نہ صرف دینی درسگاہیں بلکہ دنیوی تعلیم گاہیں بھی مسلمانوں کی کوششوں کی مرہون منت ہیں، کیا حکومت کے قائم کردہ اسکول ومکاتب مسلمان بچوں کی تربیت کے لئے کافی ہو سکتے تھے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان کی دنیوی وسائل حیات جس طرح مسلمان ارباب تجارت کی سعی بلیغ کا ثمرہ ہے ٹھیک اسی طرح پاکستان کا دینی وعلمی نظام ارباب دین اور ارباب فکر کی کوششوں کا نتیجہ ہے، اگر حکومت پاکستان کا میزانیہ ان کارخانے والوں کا مرہون منت ہے جو ان ٹیکسوں کے ذریعہ پورا ہوتا ہے تو ٹھیک اسی طرح پاکستان کا دینی وعلمی وقار ان علماء امت کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے جو بوریوں پر بیٹھ کر معمولی مشاہروں "قوت لایموت" پر گذارہ کر کے اس نظام دین کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

یہ ممکن ہے کہ ان ارباب علم میں کچھ لوگ ایسے بھی شامل ہو گئے ہوں جن کے مقاصد بلند نہ ہوں، اخلاص میں کمی ہو، دنیاوی اغراض ان کا مطمع نظر ہو، لیکن انکی وجہ سے اس پورے علمی ودینی نظام کو یکسر ختم کرنے کی تدبیر کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ اس میں شک نہیں کہ اس قماش کے لوگ آخرت کے ثواب سے محروم اور دنیاوی اعزاز واحترام سے تہی دامان ہوں گے، اور اس کے لئے یہی سزا کافی ہے لیکن ان کے ادارے بھی خالی از نفع نہیں ہیں، اگر چند کارخانے دار رشوت دے دے کر صنعت کے نظام میں فساد پیدا کر دیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سارا صنعت وحرفت کا نظام ہی ناقص اور بے سود ہے۔

## دینی مدارس کو حکومت کی تحویل میں لینے کا منصوبہ

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ جن اسکولوں، کالجوں اور علمی اداروں کو حکومت نے قومیا کر اپنی تحویل میں لے لیا ہے ان کا کیا حشر ہوا؟ کیا وہ سابقہ معیار قائم رہ سکا؟ جن کارخانوں کو حکومت نے اپنی تحویل میں لیا کیا ان کی آمدنی اور پیداوار کا توازن قائم رہ سکا؟



نتیجہ یہ ہوا کہ پیداوار میں خسارہ رہا اور حکومت مجبور ہوگئی ہے کہ نئے ٹیکس لگا کر اپنے میزانیہ کو پورا کرنے کی تدبیر کرے (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

کبھی کبھی یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ دینی مدارس حکومت اپنی تحویل میں لینا چاہتی ہے، کیا حکومت کو اپنے سابقہ تجربات سے یہ عبرت انگیز نصیحت نہیں ملی کہ "ان بوریہ نشینوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دو اور ان کو نہ چھیڑو" ورنہ اس کے نتائج جہاں پاکستان کے حق میں تباہ کن ہوں گے وہ حکمرانوں کے حق میں بھی نہایت ہی مضر ثابت ہوں گے، فواحش منکرات کے روز افزوں تباہ کن سیلاب کے راستہ میں اگر کچھ روڑے ہیں تو یہی ٹوٹے پھوٹے مدرسے ہیں جن کے ذریعہ ملک کے اندر وباہر دینی وقار قائم ہے، ظاہر ہے کہ یہ "بوریہ نشین" جن کی زندگی اسی خدمت کیلئے وقف ہے وہ ان دینی درسگاہوں کی حفاظت کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

حال ہی میں ملتان میں دیوبندی، اہل حدیث، بریلوی ہر مکتب فکر کے ارباب مدارس اہل علم کا عظیم اجتماع ہوا اور سب ہی نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ ان دینی مدارس کی ہر قیمت پر حفاظت کی جائیگی، اور اگر خدانخواستہ ارباب حکومت نے ناعاقبت اندیشانہ قدم اٹھایا تو اسکی مزاحمت کی جائے گی اگرچہ ہمیں اطمینان ہے کہ حکومت اپنی سیاسی بصیرت کے پیش نظر ایسا اقدام ہرگز نہ کرے گی، متفقہ قرارداد کا متن حسب ذیل ہے:

> "یہ اجلاس پورے وثوق کے ساتھ اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ اس غیر اسلامی اور غیر جمہوری اقدام کے اصل سوشلسٹ عناصر ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ دینی مدارس کو اپنی تحویل میں لیکر دینی اقدار اور اسلامی روایات کو ختم کیا جائے، اگر خدانخواستہ ایسا اقدام

اٹھایا گیا تو ملت اسلامیہ کسی صورت میں اسے کامیاب نہیں ہونے دے گی، اور دینی مدارس کے تقدس، آزادی، وقار اور شاندار روایات کو محفوظ رکھنے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریگی، ملک کے تمام دینی اداروں کا یہ نمائندہ اجتماع حکومت سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ اگر اس کا ایسا ارادہ ہے تو اسے یکسر ترک کر دیا جائے اور بلاوجہ فضا کو مکدر نہ کیا جائے ورنہ اس کے نتائج کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی"۔

یہ اجلاس فیصلہ کرتا ہے کہ اس اہم ترین دینی مسئلہ کے بارے میں حکومت کے عزائم کو معلوم کرنے اور اسی مرحلہ پر اس اجتماع کے فیصلہ، جذبات واحساسات ارباب اقتدار تک پہنچانے کے لئے ایک نمائندہ وفد ارباب حکومت سے ملاقات کریگا، دینی مدارس کے تقدس اور آزادی کی حفاظت کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا جائیگا۔

## پاکستان میں دین واسلام کی بقاء دینی مدراس کی مرہون منت ہے

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہے، اور اسلام پر اس کو باقی رکھنا ہے، اور حقیقت میں اس کا وجود بھی اسلام سے وابستہ ہے تو مدارس کا یہ دینی نظام



اور یہ علمی ادارے اسی طرح باقی رکھنے ہونگے، اس سے پیشتر دینی علوم کا یہ نظام اگر بے دین اور اسلام دشمن حکمرانوں کے ہاتھوں میں چلا جاتا تو اسلام اس ملک سے کبھی کا رخصت ہو جاتا، ملک کے دینی مدارس اور علماء ان بے دین حکمرانوں کے عزائم کے سامنے ڈٹ گئے اور ملک کی دینی حیثیت قدرے باقی رہ گئی، سکندر مرزا، غلام محمد، ایوب خان نے پاکستان کا دینی حلیہ بگاڑنے کی کچھ کم کوشش نہیں کی، لیکن ان کا حشر کیا ہوا؟ یہ سب کو معلوم ہے، ان لوگوں نے ہر لادینی تحریک کی حوصلہ افزائی کی، اور ہر دینی تحریک کے کچلنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، ان ہی منحوس وملعون کوششوں کا نتیجہ ہے کہ کراچی میں سال نو کے افتتاح کے موقع پر دو کروڑ کی شراب پی گئی، کلبوں کے اندر عریاں ناچ کیا گیا، اور وہ حرکتیں کی گئیں کہ انسانیت وحیا کا جنازہ اس ملک سے نکل گیا، کیا پاکستان اس کے لئے بنایا تھا؟ اگر اس ملک میں قال اللہ وقال الرسول ﷺ کی یہ صدائیں بلند نہ ہوتیں جن سے کچھ نیکی اور بدی کا توازن قائم ہے تو یہ ملک کبھی کا پیوند زمین ہو گیا ہوتا، مسلمان قوم پر من حیث العموم کافرانہ زندگی اور خدا فراموش ماحول کبھی راس نہیں آیا اور اس کا نتیجہ تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوا۔

## صرف وزارت مذہبی امور قائم کرنے کا نام اسلام نہیں

صرف وزارت امور مذہبی اور وزارت حج واوقاف قائم کرنے سے یہ مملکت صحیح معنوں میں اسلامی مملکت نہیں بن سکتی، جب تک کہ اول سے آخر تک تمام نظام اسلامی نہ ہو، اور حق تعالیٰ کی حاکمیت کا قدم قدم پر ظہور نہ ہو، محاکم عدلیہ کا پورا نظام کتاب وسنت پر مبنی نہ ہو، اس ملک کی قامت پر سوائے اسلام کی قبا کے اور کوئی چیز راس نہیں آسکتی، سوشلزم یا کیمونزم یا چینی ازم کے جو خواب آج ہمارے حکمران دیکھ رہے ہیں وہ سب تباہی و بربادی

کے خطرناک راستے ہیں، دین سے پہلے اس میں دنیا کی تباہی ہے، بارہا ''بینات'' کے صفحات میں ہم لکھتے رہے ہیں اور آج پھر صاف صاف کہہ دینا چاہتے ہیں کہ اسلامی مدارس کو ختم کرنے کی اسکیم دراصل ملک کو ٹھیٹ لادینی ریاست میں تبدیل کا اشتراکی وقادیانی منصوبہ ہے جو اس ملک کے لئے تباہی وبربادی کا موجب ہوگا، اللہ تعالیٰ اس ملک پر رحم فرمائے اور ہمارے حکمرانوں کو صحیح فہم عطا فرمائے اور اس تباہ کن زندگی سے ہمیں نجات عطا فرمائے۔ (آمین)

## مذہبی اداروں کے حسابات کی جانچ پڑتال میں کوئی حرج نہیں، لیکن ..........

یہ سطریں لکھ چکا تھا کہ اخبار جنگ مؤرخہ ے فروری ۱۹۷۵ء میں اسلام آباد کی یہ خبر شائع ہوئی کہ:

''حکومت مذہبی اداروں کو تحویل میں لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی،
البتہ حکومت ان مذہبی اداروں کے حسابات کی پڑتال کرے گی''

بہت اچھا! کوئی مضائقہ نہیں کہ حکومت اس امر کی تحقیق کرے کہ آمدنی صحیح خرچ ہورہی ہے یا نہیں، تاہم اس سلسلہ میں یہ گذارش بیجا نہ ہوگی کہ آج تک مدارس عربیہ ''یوم الحساب'' کی جواب دہی کے عقیدے پر چل رہے ہیں، انہیں خود احساس ہے کہ احکم الحاکمین کے دربار میں ''آمد وصرف'' کا حساب دینا ہوگا۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جب تک ''یوم الحساب'' کے خوف کا احساس پیدا نہ ہو صرف دنیا کے دکھاوے کے لیے دیانت وامانت کا معیار قائم رکھنا مشکل ہے، آج کتنے محکمے ہیں جن کے حساب کی پڑتال حکومت کرتی ہے، لیکن ان میں غبن بھی ہوتے ہیں، بد دیانتی بھی ہوتی ہے، گھپلے بھی ہوتے ہیں اور شاطروں نے ان چیزوں کے لیے ایسے طریقے



ایجاد کر رکھے ہیں کہ قانون کی کسی بڑی طاقت ورخوردبین سے بھی ان کو نہیں دیکھا جاسکتا، کیا اب مدارس عربیہ میں اسی تجربہ کو دہرایا جائیگا؟ مدارس عربیہ کا حساب کوئی خفیہ چیز نہیں، ایک کھلی کتاب ہے جسے حکومت ہی نہیں بلکہ ہر ادنیٰ واعلیٰ مسلمان جب چاہے بصد شوق دیکھ سکتا ہے:

''آں را کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک''

لیکن مسلمانوں کے وہ اوقاف اور مساجد جو حکومت کے قبضہ میں لے لیئے گئے ان کے بارے میں بھی حکومت نے کبھی قوم کو بتایا کہ ان کا کیا حشر ہے؟ ان کی آمد کن مصارف پر خرچ ہورہی ہے؟ صرف سندھ کے اوقاف کی چھبیس لاکھ سالانہ آمدنی سے کیا کام لیا جاسکتا ہے؟ اور حکومت اسے کس مصرف پر خرچ کررہی ہے؟ اصل مقاصد پر کتنا صرف ہوتا ہے اور کتنا کچھ زبانی جمع خرچ؟ اور دفتری نظام کے دیوتا کی نذر ہوتا ہے؟ ان مساجد کا کیا حال ہے جو آج کل حکومت کے ظل عاطفت میں ہیں؟ بہرحال اگر حکومت مدارس عربیہ کے حسابات کا جائزہ لینا چاہتی ہے تو بصد شوق اپنی تسلی فرمائے۔

''چشم ماروشن، دل ماشاد''

مگر عام احساس یہ ہے کہ بعض ارباب رسوخ جن کے نزدیک دین فرسودگی کا نام ہے وہ دینی مراکز کو حکومت کی لونڈی بنا کر اس ملک سے دین وایمان کا جنازہ نکال دینا چاہتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ تاثر اس بے چین ملک کے لئے مزید بے چینی کا باعث ہوگا، مدارس عربیہ کسی حکومت کے لئے خطرہ نہیں، البتہ لادینی عناصر (جن میں سوشلسٹ اور قادیانی شامل ہیں) کے لئے ہر وقت خطرہ ہیں اور اسی خطرہ کو ٹالنے کیلئے یہ لوگ دینی مدارس کو قومیانے کے لئے چیخ رہے ہیں۔

(صفر المظفر ۱۳۹۵ھ، مارچ ۱۹۷۵ء)

## دینی علوم، مدارس دینیہ اور علماء دین کے خلاف پروپیگنڈہ

یہ حقائق اظہر من الشمس، آفتاب نیمروز سے زیادہ روشن ہیں یہ واقعات و مشاہدات ناقابل تردید ہیں اس کے باوجود سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں اور کس کے اشاروں پر خاص کر ان آخری ایام میں یہ شور و غوغا برپا اور شرمناک پروپیگنڈہ جاری ہے، مہینوں سے سرکاری اور نیم سرکاری رسالوں اور میگزینوں میں اداریۃ نوٹ لکھے جا رہے ہیں، صدر مملکت کے نام مکاتب بھجوائے جا رہے ہیں کہ مذہب اور دینی علوم جدید ترقیات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، علماء دین ملک کی ترقی اور استحکام و سالمیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں، مدارس عربیہ اور مکاتب دینیہ عصری تقاضوں کے خلاف فتنہ و فساد برپا کرنے کی تعلیم کے مراکز ہیں، حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان تمام دینی مدارس و مکاتب اور درس گاہوں اور بڑی بڑی مساجد کو اپنے کنٹرول میں لیکر ان علوم دینیہ اور حاملین علوم نبوت کی بیخ کنی کرے، نہ یہ حکومت کی مالی امداد سے آزاد عربی مدارس اور دینی درسگاہیں ہوں گی نہ یہ علماء دین پیدا ہوں گے، نہ ملکی ترقی اور عصری تقاضوں کے خلاف کوئی آواز بلند کرنے والا ہوگا۔

ہمیں اچھی طرح یقین ہے کہ حکومت اتنی بے خبر اور ناسمجھ نہیں ہے کہ وہ ان بازیگروں سے بے خبر ہو جن کے اشاروں پر یہ کٹھ پتلیاں ناچ رہی ہیں، بقول شاعر:

"کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں"

اور مشرق وسطی کے المیہ کے بعد تو یہ راز بالکل ہی طشت از بام ہو چکا ہے کہ اسلامی ملکوں اور مسلمان قوموں میں سامراجی منصوبوں کی خاک میں ملانے والی ناقابل تسخیر طاقت صرف اسلام اور دین و ایمان کی قوت ہے اسلئے تمام استعماری حکومتیں اور سامراج پرست قومیں یا درکھیں اشتراکی ممالک اور اقوام درحقیقت سب سے بڑی استعمار پرست قومیں



ہیں، جس طرح بھی بن پڑے زور سے زر سے دھمکیوں سے لالچوں سے اسلامی ممالک اور مسلمان قوموں سے اسلام اور دین و ایمان کو مٹانے کے درپے ہیں کوئی دوست بن کر کوئی دشمن بن کر، اس وقت دنیا میں جنگ دراصل دین اور لادینیت کی جنگ ہے۔

## مدارس دینیہ اور علماء کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والوں سے چند سوالات

تاہم ان لادینی اقوام کے بامعاوضہ یا بے معاوضہ ایجنٹوں سے مدارس دینیہ اور علماء دین کے خلاف پروپیگنڈہ کی پول کھولنے کی غرض سے ہم دریافت کرتے ہیں کہ:

۱- کس عالم دین نے کب اور کہاں یہ کہا ہے کہ ملکی دفاع کو مستحکم کرنے کی غرض سے جدید آلات و اسلحہ سے مسلح اور جدید فنون سے واقف اور آزمودہ کار فضا اور بحری بیڑہ تیار کرنا اور اس کیلئے ٹینک سازی، طیارہ سازی اور اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کرنا ایٹمی انرجی کے ادارے قائم کرنا اور انکو فروغ دینا حرام اور شرعاً ممنوع ہے اور ایٹم یا ہائیڈروجن بم بنانا گناہ ہے؟

۲- کس عربی مدرسہ میں یہ درس دیا جاتا ہے کہ ملک کو غذا کے مسئلہ میں خود کفیل بنانے کی غرض سے ملکی غذائی پیداوار میں اضافہ کرنے کی مہم چلانا اس کیلئے محکمے قائم کرنا منصوبے بنانا مصنوعی کھاد ٹریکٹر اور ترقی یافتہ جدید آلات زراعت کے کارخانے قائم کرنا جراثیم کش ادویہ ہوائی جہازوں کے ذریعہ کھیتوں میں چھڑکنا، قابل کاشت زمین کو سیم اور تھور کے گھن سے پاک کرنے کی غرض سے ترقی یافتہ ملکوں میں آزمودہ تدابیر و وسائل پاکستان میں اختیار کرنا، ناقابل کاشت زمینوں کو قابل کاشت بنانا اور اس مقصد کیلئے قوم کا روپیہ خرچ کرنا حرام ہے خدا کی ناراضگی اور آخرت کے عذاب کا موجب ہے؟

٣- کس مفتی دین متین نے یہ فتوی دیا ہے کہ غیر ملکی مصنوعات سے بے نیاز ہونے اور ملکی مصنوعات کو فروغ دینے کی غرض سے پاکستانی انڈسٹری کو جدید ترقی یافتہ معیار پر لانا اور اس کیلئے دوسرے ملکوں سے جدید سے جدید مشینری برآمد کرنا بڑے بڑے جدید طرز کے صنعتی کارخانے قائم کرنا اور ملک کو صنعت کے اعتبار سے اس قابل بنانا کہ ملکی ضروریات سے فاضل مصنوعات کو عالمی منڈیوں میں برآمد کر سکے معصیت ہے اور حرام یا مکروہ تحریمی ہے؟

٤- کس عربی مدرسہ کی درسی کتاب میں لکھا ہے کہ ملک کی تجارت، درآمد و برآمد اور اقتصادیات کی سطح کو بلند کرنے کیلئے درآمد و برآمد کے جدید نظام کو اختیار کرنا ضرورت کے تحت بیرونی تجارتی اداروں کو ملک میں جائز اور ملکی مفاد کے مناسب شرائط کے تحت کاروبار کرنے کی اجازت دینا یا ملکی مفاد کے خلاف کاروبار کرنے والے اداروں کو معاوضہ دے کر قومی ملکیت میں لے لینا گناہ اور ناجائز ہے؟

٥- کس جامع مسجد کے خطیب عالم دین نے بر سر منبر یہ خطبہ دیا ہے کہ ملک میں تباہ کن حد تک پہنچی ہوئی اسمگلنگ (غیر قانونی تجارت) وہ بھی دشمن ملک کے ساتھ چور بازاری اور رشوت ستانی کو ختم کرنے کیلئے اعلی سطح پر مؤثر تدابیر اختیار کرنا، محکمے قائم کرنا ملک میں خطرناک حد تک بڑھتے ہوئے جرائم کے انسداد کیلئے پولیس فورس کو بڑھانا اور مؤثر اقدام کرنا اور معاشرہ کو تباہ کرنے والے جرائم پیشہ لوگوں کو عبرتناک شرعی سزائیں دینا، جو موجودہ قانونی سزاؤں سے بدرجہا زیادہ عبرتناک ہیں ظلم ہے گناہ ہے اور ناجائز ہے؟ یعنی عدل ومساوات کے ساتھ ساتھ ہر شعبہ زندگی میں ملک کی ترقی اور فروغ کے وسائل اور اقدامات کو اختیار کرنے سے علوم آخرت کے حاملین ہرگز منع نہیں کرتے اور دینی درسگاہوں اور علماء دین کی مساعی کو ملکی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کہنا سفید جھوٹ اور شیطانی پروپیگنڈہ ہے۔



## علماء دین کا پیغام اور دعوت دین

ہاں علماء یہ ضرور کہتے رہے، کہتے ہیں اور کہتے رہیں گے، مدرسوں کی درس گاہوں میں مسند درس پر بیٹھ کر بھی اور مسجدوں کے منبر اور مجمع عام کے اسٹیج پر کھڑے ہو کر بھی، بلکہ تختہ دار کے اوپر بھی اور جیل خانوں کی کال کوٹھریوں کے اندر بھی، ظالم وجابر حکمرانوں کے رو بہ رو بھی اور پس پشت بھی، اور اسلام کا حقیقی محافظ خدا ان کے کلمہ حق کو قوم کے کانوں تک ضرور پہنچائے گا تجربہ اسکا شاہد ہے کہ:-

١- اسلامی ملک میں صرف خدا کا نازل کردہ اور رسول ﷺ کا لایا ہوا اسلامی قانون ہی بغیر کسی ترمیم وتصرف اور کتر بیونت کے نافذ کیا جاسکتا ہے اس کے منافی یا اسکے علاوہ کسی بھی قانون کو نافذ کرنا حرام ہے اور اسکی مخالفت فرض ہے۔

٢- ہنگامی حالات کو وقت کے تقاضوں کو اور ملکی ترقیاتی منصوبوں کو اسلامی قانون کے سانچے میں ڈھالنا ماہرین قانون اسلامی کا فرض ہے اسلامی قانون کو ان حالات، تقاضوں اور ترقیاتی منصوبوں کے سانچے میں ڈھالنا اور اس غرض سے اسکی خود ساختہ تعبیرات اور من مانی تشریحات کرنا قطعاً حرام اور گناہ کبیرہ بلکہ کفر وارتداد کے مرادف ہے۔

٣- اسلامی معاشرہ میں مندرجہ بالا چیزیں قطعاً ممنوع ہیں:-

(الف) زنا قطعاً حرام ہے، اور شرعی ثبوت کے بعد اس پر حد جاری کرنا فرض عین ہے، چاہے وہ چکلوں میں ہو چاہے کلبوں میں، چاہے گھروں کی چار دیواریوں کے اندر ہو چاہے سر راہ اور چاہے باہمی رضامندی سے ہو چاہے بالجبر ہو، بہر صورت زنا قابل دست اندازی پولیس جرم ہے، زنا کے کیس میں کوئی بھی عدالت باہمی مصالحت (راضی نامہ) قبول کرنے کی مجاز نہیں۔

(ب) شراب - ام الخبائث جس کی جنم دی ہوئی خباثتوں سے مغربی ممالک بھی لرزہ براندام ہیں، قطعاً حرام ہے خواہ ایک گھونٹ ہو خواہ ایک بوتل ہو، کسی بھی قسم کی ہو، کسی بھی نام کی، اسلامی ملک میں اسلامی حکومت کے لئے اس کی کشیدہ یا درآمد وبرآمد اور خرید وفروخت کے لئے لائسنس جاری کرنا بھی حرام ہے اور اسکے ٹیکس سے جو حکومت کو آمدنی ہوتی ہے وہ بھی قطعاً حرام ہے۔

(ج) سود - ملک کی دولت وثروت، خیر وبرکت کو چاٹ جانے والی دیمک دولت کو پوری قوم کے ہاتھوں سے چھین کر چند سود خوار ہاتھوں میں جمع کر دینے والا شعبدہ لینا بھی اور دینا بھی قطعاً حرام ہے، اسی طرح ہر سودی کاروبار بڑا ہو یا چھوٹا، سودی نظام مالیات، بینکاری سسٹم پوری قوم کو بھوکا ننگا بنا دینے والا سسٹم، قطعاً حرام ہے اس کے بجائے اسلامی نظام مالیات واقتصادیات ملک میں جاری کرنا اور سود کی لعنت سے ملک کو پاک کرنا ہر مسلمان حکومت کا فرض اولین ہے دنیا کی فلاح کے اعتبار سے بھی اور آخرت کی نجات کے اعتبار سے بھی۔

(د) قمار جوا - خواہ مہذب ہو خواہ غیر مہذب، کلبوں میں ہو خواہ ریس کورس میں کسی بھی شکل وصورت میں ہو قطعاً حرام ہے، اس سے جو آمدنی ہو وہ بھی قطعاً حرام ہے اسلامی حکومت کے لئے کسی بھی صورت میں جوئے کے لائسنس دینا اور اسکی آمدنی سے ٹیکس وصول کرنا بھی قطعاً حرام ہے۔

(۶) اسلامی معاشرہ کے تحفظ کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک محکمہ احتساب قائم کرنا جو محرمات ومنکرات شرعیہ کا ارتکاب کرنے والوں کو شرعی سزائیں دینے کا مجاز ہو اسلامی حکومت کا فرض ہے تاکہ خود غرض اور ہوس پرست اسلامی معاشرہ کے خدوخال کو مسخ کرنے کی جرأت نہ کرسکیں۔



یاد رہے! کسی خطہ زمین اور ملک وملت میں علوم آخرت کے مذکورہ سابق ثمر ہائے بیش رس اور خیرات وبرکات کے وجود، نشوونما اور بقا وتحفظ کے لئے اس ملک میں انسانی دسترس سے محفوظ قانون الٰہی اور احکام شرعیہ کا نفاذ اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کے لئے محکمہ احتساب از بس ضروری ہے اور یہ فرض اس طبقہ کے ہاتھوں انجام پاسکتا ہے جو نسلاً بعد نسل اپنی عمریں علوم قرآن اور علوم سنت کی تحصیل، غور وفکر اور پھر ان پر عمل کرنے کرانے میں صرف کرتے ہیں یعنی حاملین علوم کتاب وسنت علماء، اور ایسے علماء کو پیدا کرنے اور پروان چڑھانے والے ادارے یہی آزاد معاہد ومدارس علوم عربیہ ہیں جو ملک ان آزاد عربی مدارس اور دینی مکاتب سے محروم ہوجائے گا، وہ لازمی طور پر حاملین علوم الٰہیہ سے بھی محروم ہوجائے گا اور پھر اس ملک اور اس کے معاشرے کی فنی اور سائنسی علوم وفنون کی ترقی کے باوجود وہی بھیانک شکل اور جہنمی صورت بن جائے گی جس کا نمونہ ہم اس سے پہلے پیش کرچکے ہیں۔

## علم کی اقسام اوراس کے فوائد

علم، دین کا ہو یا دنیا کے کسی شعبے کا، وہ بہرحال انسانیت کیلئے تمغۂ فضیلت اور طرۂ امتیاز ہے اور تعلیم کا مقصد فضل وکمال سے آراستہ ہونا اور میراث انسانیت کا حاصل کرنا ہے، موضوع کے لحاظ سے علم کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں:-

(۱) دینی علوم

(۲) دنیاوی علوم

دینی علوم کے اصل ثمرات وبرکات تو آخرت ہی میں ظاہر ہونگے، تاہم جب تک دنیا میں اسلام کی عزت ورفعت کا دور دورہ رہا دنیا میں بھی اسکی منفعتیں ظاہر ہوتی تھیں، علمائے دین، قاضی، قاضی القضاۃ، مفتی اور شیخ الاسلام کی حیثیت سے محاکم عدلیہ اور محاکم احتساب کے مناصب پر فائز ہوتے تھے، ملک وملت کیلئے انکا وجود سایہ رحمت سے کم نہیں تھا، انکی خدا ترسی، حق پسندی اور عدل پروری کی بدولت معاشرہ میں امن وعافیت کی فضا قائم تھی اور اسلام کے عادلانہ احکام کا نفاذ بہت سے معاشرتی امراض سے حفاظت کا ضامن تھا۔

الغرض دینی مناصب کیلئے علمائے دین ہی کا انتخاب وتقرر ہوتا تھا اور آج بھی جن ممالک میں اسلامی نظام کسی حد تک رائج ہے اسکے کچھ نمونے موجود ہیں اور دنیوی علوم جن کا تعلق براہ راست دنیا کے نظام سے تھا، مثلاً فلسفہ، منطق، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، ہیئت، حساب، طب وجراحت وغیرہ ان کیلئے تو حکومتی مناصب بے شمار تھے۔

## علم کے مفید ہونے کی شرط

اور علوم کی یہ تقسیم کہ کچھ علوم دینی ہیں اور کچھ دنیاوی، محض موضوع کے لحاظ سے ہے مگر اس کے معنی دین ودنیا کی تفریق کے ہرگز نہیں، چنانچہ دنیوی علوم اگر بے ہودہ اور لایعنی نہ



ہوں اور انہیں خدمت خلق، اصلاح معاش اور تدبیر سلطنت کی نیت سے حاصل کیا جائے تو وہ بھی بالواسطہ رضائے الٰہی کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور دین ودنیا کی تفریق ختم ہوجاتی ہے، اور اسکے برعکس جب دینی علوم کی تحصیل کا مقصد محض دنیا کمانا ہو تو یہ علوم بھی بالواسطہ دنیا کے علوم کی صف میں آجاتے ہیں اور اس کیلئے احادیث نبویہ میں سخت سے سخت وعیدیں بھی آئی ہیں، مثلاً ایک حدیث میں ہے:-

((مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللهِ إِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضاً مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَعْنِي رِيْحَهَا))

[مشکوۃ شریف]

ترجمہ: جس شخص نے وہ علم سیکھا جس کے ذریعہ اللہ تعالےٰ کی رضامندی حاصل ہوسکتی ہے اور پھر اس کو متاع دنیا کا ذریعہ بنایا تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے:-

((مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْلِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْيَصْرِفَ وُجُوْهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللهُ النَّارَ))

[مشکوۃ شریف]

ترجمہ: جس شخص نے اس غرض سے علم حاصل کیا کہ اس کے ذریعہ علماء سے مقابلہ کرے یا کم عقلوں سے بحث کرے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مائل کرے، اللہ تعالےٰ ایسے شخص کو آگ میں ڈالیں گے۔

بہرحال ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ دینی علوم بھی دنیا کے علوم بن جاتے ہیں اور دنیوی علوم بھی رضائے الٰہی اور طلب آخرت کا ذریعہ بن سکتے ہیں اور دین ودنیا کی تفریق

ختم ہو جاتی ہے، گویا اصل مدار مقاصد و نیات پر ہے کہ اگر مقصد رضائے الٰہی ہے تو دنیوی علم بھی دین کے معاون و مددگار، اور صنعت و حرفت کے تمام شعبے اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کے وسائل بن جاتے ہیں۔

## جدید اور قدیم علوم کا مقصد رضائے الٰہی ہونا چاہیے

علوم خواہ قدیم ہوں یا جدید اور دینی ہو یا دنیوی ان سب سے مقصد رضائے الٰہی کے مطابق ایک صالح معاشرہ کا قیام ہونا چاہئے، اور یہ مقصد اسی صورت میں حاصل کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص جس شعبہ زندگی سے منسلک ہو وہ اس شعبہ سے متعلق بقدر ضرورت دینی مسائل سے بھی واقف ہو، مسلمان تاجر ہو تو تجارت سے متعلقہ دینی مسائل کا عالم ہو، انجینئر ہو تو عالم ہو، طبیب اور ڈاکٹر ہو تو عالم ہو، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو خلافت راشدہ کا تابناک دور ہے، ایک قانون یہ تھا:-

"لَا یَبِعْ فِیْ سُوْقِنَا ھٰذَا مَنْ لَّمْ یَتَفَقَّهْ فِی الدِّیْنِ"

یعنی جو شخص فقیہ دینی مسائل کا ماہر نہ ہو اس کو ہمارے بازار میں خرید و فروخت کی اجازت نہیں، گویا دنیا کمانے کیلئے بھی علم دین کی ضرورت ہے تاکہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز ہو سکے اور خالص سود، سودی کاروبار اور غیر شرعی معاملات میں مبتلا نہ ہو۔

الغرض ایک دور ایسا تھا کہ ہر ہنر و کمال کا مقصد آخرت اور رضائے الٰہی تھا اور اب ایک دور ایسا آگیا ہے کہ ہر چیز کا مقصد دنیا ہی دنیا بن کر رہ گیا بلکہ اب تو اس میں بھی اس قدر تنزل رونما ہوا ہے کہ دنیا کی بھی تمام حیثیتیں ختم ہو کر رہ گئیں، اب تو واحد مقصد صرف "پیٹ" رہ گیا ہے، دنیا کے ہر علم و ہنر اور فضل و کمال کا منتہائے مقصود بس یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ "جہنم" بھر جائے۔



## علوم الٰہیہ اور قدیم و جدید علوم کی ترویج کس کا فرض ہے؟

اب اس پر غور فرمائیں کہ تمام قدیم و جدید علوم کی تعلیم و تربیت اور ان علوم الٰہیہ کی ترویج و اشاعت نیز علوم انسانی کی توسیع و ہمت افزائی یہ کس کے ذمہ ہے؟ یہ ذمہ داری تمامتر اسلامی حکومتوں اور اسلامی حکمرانوں کی ہے، سوء اتفاق سے اس وقت مراکش سے لیکر انڈونیشیا تک تمام حکومتیں اور حکمران درجہ بدرجہ اس ذمہ داری کے معاملہ میں مقصر نہیں بلکہ مجرم ہیں، ظاہر ہے کہ اس تمام تعلیمی اور تجرباتی نظام سے تمام امت کو مستفید بنانے کیلئے حکومت کی سطح پر ہی کام ہوسکتا ہے اسی وجہ سے یہ مسلم ہے کہ تعلیمی میزانیہ فوجی میزانیہ سے زیادہ ہونا چاہئے لیکن جب حکومتیں اس طرح کی مجرمانہ غفلت برت رہی ہیں تو علوم الٰہیہ کی جو فرض عین ہیں یا فرض کفایہ، حفاظت، اس کی حفاظت امت کے ذمہ ہی عائد ہوتی ہے، متحدہ ہندوستان میں جب مسلمان اسلامی حکومتوں کے سایہ سے محروم ہوگئے تو علماء دین اور عام مسلمانوں نے اس ذمہ داری سے سبکدوشی کو اپنا فرض سمجھ کر اسکی کما حقہ تدبیریں کیں، دیندار ارباب اموال سے مالی اعانتیں حاصل کر کے اسکی حفاظت کی، اور آج تک الحمدللہ یہ سلسلہ ہند و پاکستان دونوں ملکوں میں قائم ہے، اور آج ہزاروں مدارس دینیہ باوجود گونا گوں نقائص اور کمزوریوں کے کسی نہ کسی درجہ میں یہ فرض انجام دے رہے ہیں۔

## تعلیم و تربیت کا سائنسی علوم پر موقوف ہونا

آجکل سائنس کا بہت شور برپا ہے، ہر طرف سے سائنس اور علوم طبعیہ کی صدائیں گونج رہی ہیں اور یہ خیال راسخ ہوتا ہے کہ سائنسی علوم، تعلیم و تربیت کا ایک اہم جزء ہیں اس کے بغیر ہر قسم کی تعلیم بے معنی ہے اور یہی باور کیا جارہا ہے کہ تعلیمی نظام میں علمی سائنس

اور عملی سائنس دونوں کی شدید ضرورت ہے اور جس طرح سابق اسلامی ادوار میں ریاضی اور ہیئت وفلکیات کے بڑے بڑے ماہر پیدا ہوئے ہیں اور طرح طرح کی فنی رصدگاہیں مسلمانوں نے بنائی ہیں آج کیوں مسلمانوں کا دامن ان کمالات سے خالی ہو؟

اس طرح کے افکار ونظریات آج کل عام جرائد ومجلات کے صفحات کی زینت بنے ہوئے ہیں، لیکن جہاں تک علمی وعملی سائنس کی اہمیت کا تعلق ہے اس سے انکار کرنا حماقت وجہالت ہے مگر اسی کے ساتھ سائنسی علوم کو ہر قسم کی تعلیم وتربیت کیلئے لازمی جز سمجھنا شاید اس کا بھی حماقت وجہالت سے کم درجہ نہ ہوگا۔

## سائنسی علوم کا بھی فائدہ ہے لیکن......

البتہ ان علوم طبعیہ وسائنسی علوم وفنون کا اس زندگی میں ایک عظیم الشان فائدہ یہ ہے کہ یہ علوم اور انکے ذریعہ حاصل ہونے والے نو بہ نو اکتشافات حق تعالے کے کمال قدرت، کمال علم اور حقائق الٰہیہ کی معرفت کا ذریعہ بنتے ہیں اس کارخانہ قدرت اور محیّر العقول نظام کائنات میں حق تعالے کی قدرت کے وہ رازہائے سربستہ ان کے ذریعہ منکشف ہوتے ہیں جو معجزات کا کام دیتے ہیں اور ایمان کامل، یقین محکم، طمانیت دل ودماغ اور رسوخ ایمانی جیسے عظیم اور حیرت انگیز ثمرات کی بدولت میسر آتے ہیں، اور اسی طرح اللہ تعالے کی حجت منکرین وکافرین پر پوری ہوجاتی ہے لیکن تجربہ اس کا شاہد ہے کہ جو حضرات پہلے سے مشرف بایمان ہیں ان کے لئے تو یہ رسوخ ایمانی کا ذریعہ بنتے ہیں لیکن جو لوگ سعادت ایمان سے محروم ہوتے ہیں ان کیلئے نفس ایمان کا ذریعہ بھی نہیں بنتے، یہی وجہ ہے کہ یہ سائنسدان حق تعالے کے اس کارخانہ ملکوت میں اس حیرت انگیز نظام کے اسرار وغوامض پر مطلع ہونے کے بعد بھی ان میں سے کسی ایک کو بھی ایمان کی توفیق نصیب نہیں ہوتی، ایمان



تو کیا حقیقی معنی میں وہ انسان بننا بھی نصیب نہیں ہوتا جس کے پہلو میں دل اور دل میں رحم وعاطفہ انسانیت ہو، یہی وجہ ہے کہ عہد حاضر کے تمامتر سائنس دانوں کی یہ گوناگوں ایجادات آج نسل انسانی کو تباہ وبرباد کرنے پر تلی ہوئی ہیں تمام دنیا کو تباہی کے کنارے لاکر کھڑا کردیا ہے، (اس کا اندازہ ایٹمی ملکوں کے باہمی مقابلہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے) اس تفصیل سے یہ بات بھی خیال میں آگئی ہوگی کہ سب سے زیادہ مقدم روح کی اصلاح وتربیت ہے اس کے بعد ہی جدید علوم عصریہ مفید ہوسکتے ہیں۔

## سائنسی اور فنی علوم اور ان کے نتائج

یہ تو علوم الٰہیہ دینیہ کی برکات ہیں، اس کے برعکس نرے عقلی اور فنی علوم وفنون کی ہلاک آفرینی اور ایک ایسا لادینی معاشرے کا جہنمی چہرہ اور انسانیت کیلئے نہ صرف باعث ننگ وعار بلکہ انتہائی بھیانک خدوخال بھی دیکھئے جو علوم الٰہیہ دینیہ سے باغی اور خدا ورسول ﷺ کی تعلیمات سے نہ صرف محروم بلکہ ان کی بیخ کنی کے درپے ہے اور صرف نفسانی اغراض وخواہشات کے ہاتھوں میں اس کی باگ وڈور ہے، حالانکہ فنی (سائنسی) علوم وفنون اور اختراعات وایجادات کے اس معراج کمال پر پہنچا ہوا ہے کہ کائنات ارضی کو بزعم خود مسخر کرلینے کے بعد کائنات سماوی کی تسخیر کی تگ ودو میں مصروف ومنہمک ہے ان فنی اور سائنسی علوم وفنون کی پیداوار کیا ہے؟ اور ایسے لادینی معاشرہ کے خدوخال کیا ہیں؟ فرعونیت اور قہاریت ہے بے پناہ ظلم وعدوان ہے عالمگیر اقتدار وتسلط کا بھوت ہے، درندے بھی جس سے شرمائیں وہ بے رحمی اور قساوت ہے، جانور بھی جس سے کترائیں وہ خود غرضی اور نفس پرستی ہے، کمزور کشی اور استحصال بالجبر ہے، بے دریغ خونریزی اور جہاں سوزی ہے، عریاں درندگی اور بہیمیت ہے، یہ وہ انسانیت سوز نحوستیں اور لعنتیں ہیں جنہوں نے قیامت سے پہلے ہی اس روئے زمین کو جہنم بنا رکھا ہے، ان فراعنہ وقت امریکہ، روس اور برطانیہ وغیرہ

طاغوتی طاقتوں کے سیاہ کارنامے، ننگ انسانیت عزائم اور مادی طاقت کے مظاہرے آپ روزانہ اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں، آپ نے دیکھا ان نرے مادی علوم وفنون کے ارتقا، اور سائنسی اکتشافات وایجادات کی فراوانی نے اس وقت دنیا کو کس خطرناک دوراہے بلکہ جہنم کے کنارے لاکر کھڑا کردیا ہے، آپ کو معلوم ہے کہ روس میں امریکہ کو تباہ کرنے اور جہنم بنادینے کے لئے غیر معمولی پاور کے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم اور میزائل راکٹوں کے اندر فٹ جہاں سوزی کے لئے تیار رکھے ہوئے ہیں، اور امریکہ میں روس کو جہنم بنادینے کے لئے ناقابل قیاس پاور والے آتش بار بم تیار رکھے ہوئے ہیں صرف بٹن دبانے کی دیر ہے، آن کی آن میں امریکہ روس کو "ہیروشیما" اور روس امریکہ کو "ہیروشیما" بناسکتا ہے اور ان دونوں براعظموں میں برسنے والے بموں کے رات اور تابکاری کے اثرات یورپ اور ایشیا کو پھونک ڈالنے کیلئے کافی ہیں، یہ ہے علوم آخرت کی گرفت سے آزاد محض عقلی اور سائنسی علوم وفنون اور سائنسی ارتقاء کا کارنامہ۔

ہاں! اگر علوم آخرت کے کنٹرول میں رہ کر اور ان کی سرپرستی ونگرانی میں یہ فنی اور سائنسی علوم وفنون اور ایجادات واختراعات پروان چڑھیں اور ترقی کریں تو یقیناً یہ سائنسی علوم وفنون فلاح انسانیت اور خدمت خلق ومخلوق کے بہترین وسائل بن سکتے ہیں اس لئے بھی علوم دینیہ کی درس گاہوں اور حاملین علوم نبوت یعنی علماء دین کا بابرکت وجود اس روئے زمین خصوصاً مملک پاکستان کیلئے ازبس ضروری اور ناگزیر ہے

## علوم کی قسمیں اور انکا حکم

پہلی بات تو یہ ہے کہ علوم دو قسم کے ہیں:-

(۱) ایک وہ علوم جن کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے یہ وہ علوم ہیں جن کے



ذریعہ بندے کا تعلق اپنے معبود حق تعالے شانہ سے قائم ہو اور حق تعالے کے حکم کے مطابق بندہ اسکی بندگی کرسکے، خیر وشر، حلال وحرام کی تمیز ممکن ہو، غرض عقیدہ صحیح ہو جائے اور عمل درست، عبادات وطاعات اور فرائض وواجبات سے ضروری واقفیت میسر آجائے، یہ علم چاہے زبانی تعلیم سے حاصل ہو یا والدین کی صحیح تربیت سے یا مکتب میں استاد کے ذریعے سے ہو یا پھر چاہے مادری زبان میں ہو یا کسی اجنبی میں ہو، اسی کو حدیث میں:

((طَلَبُ العِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ))

فرمایا گیا ہے۔

(۲) دوسرے علوم وہ ہیں جن کو فقہی زبان میں "فرض کفایہ" کہتے ہیں یعنی اگر امت کے چند اشخاص بھی ان کو حاصل کرلیں تو بقیہ افراد کے ذمے سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے جیسے نماز جنازہ میں چند افراد کے نماز پڑھ لینے سے تمام مسلمانوں کے ذمہ سے فرض ادا ہو جاتا ہے، اسلامی علوم میں تفسیر قرآن کریم اور احادیث نبی کریم ﷺ فقہ اصول فقہ، علم توحید وکلام وغیرہ کی تعلیم اور ان میں مہارت وبصیرت حاصل کرنا یہ فرض کفایہ ہے، بلاشبہ یہ فرض کفایہ بھی دین اسلام کا اہم شعبہ ہے اور امت اسلامیہ میں اس کا باقی رکھنا فرض ہے، اور قرآن کریم کی آیت کریمہ ذیل میں انہی علوم کے متعلق ارشاد فرمایا گیا:-

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ
وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾

[سورۃ التوبہ، ۲۲]

ترجمہ: کہ ہر قوم کے چند افراد کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ علم دین سیکھیں اور اپنی بقیہ تمام قوم کو دین سے واقف کرائیں (آیت کریمہ کے کماحقہ تفسیری حقائق ولطائف بیان کرنے کا یہ موقع نہیں)۔

پھر ان علوم میں بھی بعض علم ایسے ہیں کہ وہ خود مقصود نہیں ہیں بلکہ مقصود کے حصول کے لئے وسیلہ اور ذریعہ ہیں جیسے صرف نحو، معانی، بیان وغیرہ کہ ان علوم کے بغیر تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ وغیرہ کو حاصل ہی نہیں کیا جا سکتا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالے عنہم کیلئے یہ علوم عربیت مادری زبان کی حیثیت سے خود بخود حاصل تھے اسلئے ان کو ان علوم کے سیکھنے کی ضرورت نہ تھی، روئے زمین کے عجمی (غیر عربی) مسلمانوں اور بعد کی نسلوں کو یہ بات میسر نہ تھی اسلئے ان کو ان علوم کا حاصل کرنا بھی ضروری ہوا۔

## اصلی علم کیا ہے؟

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو بآسانی واضح ہوگا کہ اصلی علوم وہی ہیں جو صرف وحی الٰہی کے ذریعہ اور انبیاء کرام کی تعلیمات کے واسطہ سے ظہور میں آتے ہیں، یہ وہ علوم ہیں جن کے ادراک سے عقل انسانی نہ صرف قاصر ہے بلکہ عقل انسانی کے دائرے سے ہی یہ علوم خارج ہیں، علوم وفنون کی اصطلاح میں انکو ماوراء الادراک اور ماوراء العقل کہا جاتا ہے۔

اس لئے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا دائرہ تعلیم وتربیت انہی علوم الٰہیہ میں منحصر ہونا چاہئے جو عقل انسانی کی رسائی سے بالاتر ہیں، قرآن کریم اور تعلیمات نبویہ میں ان علوم طبعیہ وعقلیہ اور ان کے ذریعہ وجود میں آنے والی ایجادات واختراعات کی نہ تو تعلیم دی گئی ہے اور نہ ہی ان کی طرف توجہ کی گئی نہ ہی انکی ضرورت تھی۔

ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالے نے عقل وادراک جیسی خود کفیل نعمت اور قوت اختراع جیسی خودکار طاقت انسان کو عطا فرمادی جو ان تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے کافی ووافی ہے تو پھر کسی مزید تفصیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی، چنانچہ اسلامی تاریخ انکی شہادت دیتی ہے کہ ہر دور میں عقل انسانی یہ خدمت انجام دیتی رہی ہے اور آج اس دور ترقی میں بھی جو



کچھ نتائج سامنے آرہے ہیں اور آئندہ آتے رہیں گے وہ سب اسی کے کرشمے ہیں۔

اگر ہم ان گذشتہ اشارات اور گذارشات کا خلاصہ بیان کرنا چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی دو قسم کی ضرورتیں تھیں:-

ایک دنیا کی اور ایک آخرت کی یا یوں کہئے ایک روح کی اور ایک جسد کی، علوم الٰہیہ ربانیہ کے وہ سرچشمے جن کا تعلق وحی آسمانی سے ہے ان کا تعلق آخرت اور اصلاح روح سے ہے، اور نفوس کا تزکیہ وتہذیب ہی ان سے مقصود ہے مگر ان علوم کے حقیقی ثمرات ونتائج آخرت کی زندگی میں کما حقہ ظاہر ہوں گے اگرچہ ان کے برکات کا قدرے ظہور اس دنیا میں بھی ہو، اور علوم عقلیہ انسانیہ کا تعلق جسم وجسمانیات اور دنیا کی زندگی سے ہے ان کے منافع کا تعلق بھی دنیوی زندگی اور عالم جسمانی سے وابستہ ہے۔

## علم دین حاصل کرنے کا مقصد

۱- خود اپنی تکمیل یعنی صاحب کمال بننا اپنی زندگی کو صلاح وتقویٰ سے آراستہ کرنا تاکہ فلاح وسعادت دارین سے خود بہرہ ور ہو سکے۔

۲- دوسروں کی خدمت کرنا اور ان کو سعادت دارین سے ہمکنار کرنا۔

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اگر کوئی عالم دین اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات زندگی کیلئے محتاج کسب معاش ہے تو اسے معاش کے ذرائع اور صحیح وسائل اختیار کرنے میں کوئی عار نہیں ہونا چاہیئے، کیا اسلام کے انتہائی مجد وعروج کے دور میں کبار امت نے معاشی ذرائع اختیار نہیں کئے؟ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

## دینی علوم اور جدید سائنسی علوم میں کوئی تصادم نہیں

اسلام تلوار بنانے پر کوئی پابندی نہیں لگاتا، ہاں اس کے استعمال پر ضرور پابندی عائد کرتا ہے کہ صحیح طریق پر اس کو استعمال کیا جائے، کیوں؟ صرف اس لئے کہ تلوار ایک ظالم

وبے رحم قاتل سے قصاص لینے کیلئے ہی استعمال کی جاسکتی ہے، اور ایک بے قصور اور بے گناہ انسان کو اپنی شیطانی اغراض وخواہشات کی راہ سے ہٹانے کیلئے بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح عہد حاضر کے حربی اسلحہ ٹینک، طیارہ شکن توپیں، بمبار طیارے، میزائل، راڈار اور طرح طرح کے ہلاکت خیز بند بنانے سے منع نہیں کرتا، ہاں ان کے بے جا استعمال پر پابندی ضرور لگاتا ہے کہ یہ تمام سامان حرب اور آلات جنگ صرف ملک وملت کے دفاع اور اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ظلم وعدوان کا مقابلہ کرنے اور دنیا میں امن وامان قائم کرنے کیلئے استعمال کئے جائیں، استعماری اغراض، کمزور قوموں اور ترقی پذیر ملکوں کو اس حربی طاقت کے دباؤ اور زور سے مغلوب ومرعوب کر کے ان ملکوں کی پیداوار دولت وثروت پر ڈاکے ڈالنے کیلئے ہرگز استعمال نہ کیا جائے کہ یہ عمرانی عدل وانصاف اور مساوات کے منافی اور روئے زمین پر عالمگیر فتنہ وفساد برپا کرنے کا موجب ہے جیسا کہ مذکورہ سابق آیت کریمہ میں اس پر تنبیہ کی گئی ہے۔

غرض اسلام مقصد کی تعیین، نیت کی تصحیح، نفوس کے تزکیہ کی اہم ترین ضرورت کو پورا کرتا اور مقدس ترین فرض کو انجام دیتا ہے تاکہ عمل خود بخود صحیح ہوجائے۔

## نظام عالم کے بقاء کے لیے دونوں قسم کے علوم کی ضرورت ہے

حاصل یہ ہے کہ نظام عالم کو برقرار رکھنے کیلئے دونوں قسم کے علوم، عقلی اور فطری، دینی اور آسمانی علوم کا بقا اور تحفظ ضروری اور ناگزیر ہے، عقلی اور صناعی علوم وفنون کے بقاء تحفظ اور ارتقاء کی کفیل انسان کی نو بہ نو حوائج وضروریات ہیں اور وہ خود انسان کو معاشی، اقتصادی، سیاسی اور حربی امور میں وقت اور زمانہ کے تقاضوں کے تحت نو بہ نو فنون وصنائع، ایجادات واختراعات اور مصنوعات کو عدم سے وجود میں لانے پر مجبور کرتی رہیں گی، علوم دینیہ الٰہیہ کو



دنیا میں لانے اور محفوظ رکھنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں اور انکے بعد ان انبیاء کے ورثاء یعنی حاملین علوم انبیاء، علماء حق ہیں، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام دینار ودرہم، مال ومتاع، جائداد وجاگیر ترکہ میں نہیں چھوڑتے بلکہ علوم نبوت کی وراثت چھوڑتے ہیں جو ان کے نقش قدم پر چلنے والے حاملین علوم نبوت یعنی علماء دین کے طبقہ میں قرناً بعد قرنٍ منتقل ہوتی چلی آتی ہے اور نظام عالم کے توازن کو برقرار رکھتی ہے، خاص کر خاتم النبیین سید الاولین والآخرین ﷺ کی امت کے علماء، اور حاملین علوم کتاب وسنت کہ ان کے متعلق تو سرکار کائنات ﷺ کا ارشاد ہے:

"العُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ"

اس حدیث کے پیش نظر علماء امت کا کام وہی ہے جو انبیاء کا کام ہے۔

اس بحث وتنقیح سے یہ بات تو بالکل ہی صاف اور واضح ہوجاتی ہے کہ علوم دنیا اور علوم آخرت میں کوئی نزاع یا تصادم قطعاً نہیں ہے ہاں دونوں کے مقاصد اور دائرہ کار جدا جدا ہیں، اسی لئے یہ بالکل حقیقت ہے کہ اگر ان انسانی علوم وصنائع کو خالق کائنات کی مرضی اور منشا کی روشنی میں انسانیت کی خدمت کیلئے وقف کردیا جائے تو یہ دنیا ساری دین بن جائے اور پھر دین اور دنیا کی تفریق جو محض ایک شیطانی مفروضہ اور منصوبہ ہے بالکل ہی مٹ جائے، بالکل اسی طرح جیسا کہ اگر انہی علوم انبیاء کو حصول دنیا اور جلب خواہشات واغراض نفسانی کا وسیلہ بنالیا جائے تو نہ صرف یہ کہ پورا دین، دنیا بن جاتا ہے بلکہ خالق کائنات کی امانت میں خیانت اور بہت بڑا جرم ہوجاتا ہے اس لئے کہ اگر دنیا کا حصول دنیا کے وسائل کے ذریعہ ہو تو عین مصلحت اور عقل کا تقاضہ ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں، لیکن اگر دین کو صرف حصول دنیا کا وسیلہ بنالیا جائے تو یہ "وضع الشی فی غیر محله" چیز کا بے محل استعمال ہے اور بہت بڑا ظلم اور انتہائی قبیح جرم ہے۔

اس طرح یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ علوم نبوت کا اصلی مقصد آخرت کے ثمرات وبرکات تو ہیں ہی، لیکن آخرت سے پہلے اسی دنیاوی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی حیات طیبہ اور پاکیزہ ماحول کی تشکیل اور صالح وخداشناس وخداپرست معاشرے کی تخلیق بھی علوم انبیاء کا اہم فریضہ ہے، جس کے بارے میں وہ دنیا وآخرت دونوں مسئول ہیں، خداشناسی، خداپرستی، خدمت خلق، امن وامان کی ضمانت، انسانیت کی فلاح وبہبود، انسانی کمالات وفضائل اور وسائل سعادت، ایک قابل رشک معاشرے کے وہ خدوخال ہیں جو انسان کو صحیح معنی میں مسجود ملائک اور اشرف المخلوقات بنادیتے ہیں اور علوم آخرت کے ثمرہ بے شمار اس دنیا کو بھی جنت بنادیتے ہیں۔

## مسلمانوں کے لیے علمی وعملی فتنے

ہر دور میں فتنوں کی مختلف صورتیں رہی ہیں لیکن بنیادی طور پر فتنے دو قسم کے ہوتے ہیں:-

۱-ایک عملی فتنے

۲-دوسرے علمی فتنے

### عملی فتنے:

گناہوں کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں جو امت میں عام ہوجاتی ہیں، زنا اور شراب کی کثرت، سود خوری ورشوت ستانی، بے حیائی وعریانی، رقص وسرور، اس کے نتیجہ میں استبداد، کذب وافترا، بدعہدی وبدمعاملگی وغیرہ یہ اخلاقی بیماریاں جو معاشرہ میں پیدا ہوجاتی ہیں ان کے مختلف اور متنوع وجوہ واسباب ہوتے ہیں، بہر صورت ان بداخلاقیوں اور بد اعمالیوں کے اثرات نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ سارے ہی اعمال صالحہ پر پڑتے ہیں جتنی



ان برائیوں میں کثرت وہمہ گیری پیدا ہوتی ہے اتنی ہی ان نیکیوں میں ضعف واضمحلال اور کمی آجاتی ہے۔

### علمی فتنے:

علمی فتنے وہ ہوتے ہیں جو علوم وفنون کی راہ سے آتے ہیں، تاریخ اسلام میں ان علمی فتنوں کی مختلف صورتیں رہی ہیں، بہر صورت ان علمی فتنوں کا اثر براہ راست اعتقاد پر پڑتا ہے، ان فتنوں میں سب سے زیادہ خطرناک ''فتنہ باطنیہ'' کا تھا جو قرامطہ کے دور میں ابھرا اور خوب پھلا پھولا، اس فتنہ کا سب سے بڑا اور برا نتیجہ یہ نکلا کہ دین میں الحاد وتحریف کا دروازہ کھل گیا اور اسلامی حقائق، ضروریات دین، متواترات اسلام، بنیادی عقائد واعمال، مجمع علیہ شعائر اسلام میں تاویلوں اور تحریفوں کے دروازے کھل گئے۔

اس آخری دور میں یہ فتنہ بہت بڑے پیمانے پر تمام اسلامی ممالک میں یورپ سے درآمد ہونا شروع ہوا اور مستشرقین یورپ نے تو اس کو ایسا اپنا نصب العین بنالیا کہ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، نشر واشاعت، تحقیق وریسرچ، غرض ہر دلکش اور پرفریب عنوان سے اس کے پیچھے پڑگئے، اپنی زندگیاں اس کیلئے وقف کردیں اور اسلام سے انتقام لینے کا اس کو ایک کارگرترین حربہ قرار دیا، یہاں تک کہ جو طلبہ اسلامی ممالک سے پی، ایچ، ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے کی غرض سے یورپین ممالک کا سفر کرتے ہیں، ان درس گاہوں میں ان طلبہ سے اسلامی موضوعات پر ایسے مقالات ومضامین لکھواتے ہیں کہ وہ مسلمان طلبہ بھی اسلامی معتقدات کے بارے میں کم از کم تشکیک کے اندر ضرور مبتلا ہوجاتے ہیں، یہ وہ دردناک داستانیں ہیں جن کی تفصیل کیلئے بے پایاں دفتر درکار ہیں، ''مجمع الزوائد'' میں حافظ نورالدین ہیثمی نے بحوالہ ''معجم طبرانی'' ایک حدیث بروایت عصمۃ بن قیس سلمی صحابی نقل کی ہے:-

((إِنَّهُ كَانَ يَتَعَوَّذُ مِنْ فِتْنَةِ الْمَشْرِقِ ، قِيْلَ فَكَيْفَ فِتْنَةُ الْمَغْرِبِ ؟ قَالَ : "تِلْكَ أَعْظَمُ وَأَعْظَمُ"))

یعنی نبی کریم ﷺ فتنہ مشرق سے پناہ مانگا کرتے تھے، آپ سے دریافت کیا گیا کہ مغرب میں بھی فتنہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ تو بہت ہی بڑا ہے، بہت ہی بڑا ہے۔

یقین سے تو نہیں کہا جاسکتا کہ آپ کی مراد فتنہ مغرب سے کیا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ سقوط اندلس کی طرف اشارہ ہو کہ وہاں اسلام کا پورا بیڑہ ہی غرق ہوگیا، اور نام کا مسلمان بھی کوئی اس ملک میں نہ رہا، تمام ملک پر کفر کا استیلاء ہوگیا، لیکن ہوسکتا ہے کہ بلاد مغرب کے اس فتنہ میں استشراق کی طرف بھی اشارہ ہو کہ الحاد وتحریف کا یہ فتنہ مغربی دروازوں سے ہی تمام دنیا کے مسلمان ملکوں میں داخل ہوگا جو سب فتنوں سے زیادہ خطرناک اور عالمگیر ہوگا، بہر حال الفاظ حدیث کے عموم میں تو یہ داخل ہے ہی۔

## ان علمی وعملی فتنوں کا انسداد

الغرض اس دور میں یہ علمی وعملی فتنے پورے زور وشور اور طاقت وقوت کے ساتھ اسلامی ممالک میں پھیل رہے ہیں، ہمارا ملک نسبتاً ان سے مامون ومحفوظ تھا، لیکن کچھ تو جدید تعلیم کے اثرات سے کچھ مستشرقین کی دسیسہ کاریوں سے نیز مواصلات کی آسانیوں سے اور مال ودولت کی فراوانی سے اب تو یہ ملک کچھ بعید نہیں کہ اس معاملہ میں دوسرے ممالک سے گوئے سبقت لے جائے۔

عرصہ سے جب بھی ان حالات کا جائزہ لیا گیا اور صورت حال پر غور وخوض کیا گیا کہ اس سیلاب کی روک تھام کے لئے یا عمومی اصلاح احوال کے لئے کون کون سے افراد یا جماعتیں کام کررہی ہیں؟ اور یہ فرض کفایہ انجام پذیر ہورہا ہے یا نہیں؟ اور یہ دینی درس



گاہیں جو پشاور سے لیکر چاٹگام تک پھیلی ہوئی ہیں یہ موجودہ ملک گیر امراض کیلئے نسخہ شفا ہیں یا نہیں؟ جب بھی پورا جائزہ کامل غور وخوض سے لیا گیا نتیجہ یہی نکلا کہ مرض کا پورا علاج نہیں ہورہا۔

## تبلیغی جماعت تمام جماعتوں سے بہتر خدمت انجام دے رہی ہے

حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کے خلف رشید حضرت مولانا محمد یوسف رحمہما اللہ کی جماعت جس کا بعد میں جاکر "تبلیغی جماعت" نام پڑگیا ہے سب جماعتوں سے بہتر خدمت انجام دے رہی ہے اور اس کے برکات دور دراز تک پہنچ رہے ہیں اور معاشرے میں جو عملی فتنے پیدا ہورہے ہیں ان کے ازالہ کیلئے اکسیری علاج کا کام کررہی ہے، لیکن موجودہ حالات میں انقلاب برپا کرنے اور مکمل اصلاح احوال کیلئے جس عمومی اور ہمہ گیر جدوجہد کی ضرورت ہے ابھی تک اس معیار پر کام نہیں ہورہا، بایں ہمہ اگر یہ جماعت کچھ اور عموم اور مزید توجہ واہتمام کے ساتھ بھی یہ خدمت انجام دینے لگے، تب بھی اس کا دائرہ کار عملی فتنوں کی اصلاح تک محدود رہے گا علمی فتنے اس جماعت کے دائرہ اصلاح سے بالکل باہر ہیں۔

اس لئے آرزو تھی کہ کوئی جماعت ایسی جامع ہو کہ علمی اور عملی دونوں قسم کے فتنوں کی اصلاح کی طرف قدم اٹھائے لیکن اس کا تانا بانا اسی "تبلیغی جماعت" کے طریق پر رکھا جائے کہ نہ اس کا کوئی صدر وسیکریٹری ہو نہ کہیں اس کا دفتر ہو نہ خزانہ ہو۔

## علمی وعملی فتنوں کے دفاع کے لیے صرف مدرسہ یا دار العلوم کافی نہیں

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم سے مختلف اوقات

میں گفتگو ہوتی رہی اور ہم دونوں اس نتیجہ پر پہنچے کہ جو دینی درس گاہیں ہم چلا رہے ہیں اگر چہ وہ بھی ایک ٹھوس اور بنیادی خدمت ہے اور دہریت کے سیلاب کے دفاع کیلئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے لیکن بحالت موجودہ ہماری مسئولیت اس پر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس سے زیادہ محنت اور وسعت کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے، اور جب تک ان علمی وعملی فتنوں کے دفاع کے لئے اپنے اپنے مدرسہ اور دارالعلوم میں جتنی اہمیت وتوجہ کے ساتھ کام نہ کیا جائے گا یہ مقصد انجام پذیر نہ ہوگا اور ہم مسئولیت سے سبکدوش نہ ہوں گے۔

## فتنوں کے روک تھام کے لیے ایک اصلاحی جماعت کی تاسیس

کام کی وسعت اور ہمہ گیری اور اس کے مقابلہ پر اپنی کم ہمتی اور اس سے بھی زیادہ کوتاہ دستی کی طرف جب جاتی تھی تو حوصلہ پست ہو جاتا، لیکن جتنا سوچا آخرت کی مسئولیت اور جواب دہی کا احساس شدت کے ساتھ بڑھتا رہا، تاآنکہ بہر صورت پہلوتہی اور روگردانی کی کوئی گنجائش نہ رہی اور عزم مصمم کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا تو توکلا علی اللہ اس بے سروسامانی سے قطع نظر کر کے حضرت مفتی صاحب کی قیادت میں قدم اٹھانے کا عزم کر لیا۔

اور ہم دونوں نے چند اپنے ہم نوا اور شریک احساس علماء اور ارباب صحافت کو بالکل غیر رسمی طور پر کراچی میں جمع کر کے اس جماعت کا ایک ابتدائی ڈھانچہ تیار کر لیا جس کی تفصیلات حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی افتتاحی تقریر، اس جماعت کے اغراض ومقاصد، نظام اور طریق کار میں آپ ملاحظہ فرمائیں۔

## ٭ مجلس دعوت واصلاح کا قیام ٭

## علماء کے اجتماع میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی افتتاحی تقریر

اہل علم اور اہل دین کو یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ اس وقت مسلمان غیر معمولی عددی اکثریت اور بہت سی آزاد خود مختار سلطنتوں کے مالک ہونے کے باوجود کن دل دوز حالات سے گذر رہے ہیں، دینی علمی، اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی حیثیت سے بھی پوری مسلم قوم کا جائزہ لیا جائے تو ایک ایسا بھیانک منظر سامنے آجاتا ہے کہ اس کے عواقب کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾

ترجمہ: ظاہر ہو گیا فساد خشکی اور تری میں لوگوں کے اپنے اعمال کی وجہ سے۔

''تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم''

ہمارے اپنے ملک میں ہماری آنکھوں کے سامنے عیسائی مشنریوں نے پورے ملک پر یلغار کی ہوئی ہے، طرح طرح کے لالچوں اور مختلف حیلوں سے بڑی تیزی کے ساتھ لوگوں کو دین حق سے مرتد بنا رہے ہیں۔

دوسری طرف مسلمانوں کی صفوں میں کچھ ایسے عناصر پیدا ہو گئے ہیں جو اصلی اسلام کو مسخ ومحرف کر کے اپنی اغراض واہواء کے مطابق ''اسلام کا جدید ایڈیشن'' تیار کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں، ''اسلامی ریسرچ'' اور ''اسلامی ثقافت'' کے نام پر وہ سب کچھ کیا جا رہا ہے جو ''مستشرقین'' کے اسلام دشمن حلقے اب تک نہ کر سکے تھے، شعائر اسلام کو مجروح اور

اسلام کے اجماعی اور متفق علیہ اصول واحکام کو مشکوک بنانے کی سعی پیہم قوم کے لاکھوں روپے کے صرفہ سے جاری ہے۔

اس صورت حال کے نتیجہ میں بے حیائی ،وعریانی ، رقص وسرور ، بے حجابی ، اغوا، بدکاری ،شراب نوشی ، قمار بازی، معاشرتی افراتفری اور خاندانی نظم کی ابتری کا ایک سیلاب ہے جو مسلمانوں میں امڈا چلا آرہا ہے ، سود، دھوکہ فریب ، جعلسازی اور دوسرے اخلاقی معائب معاشرے کی ایمانی اور اخلاقی حس کو مضمحل سے مضمحل تر کئے جارہے ہیں اور عام نظم ونسق کا تعطل اس حد تک شدید ہو چکا ہے کہ ایک عام آدمی کیلئے حصول انصاف تقریباً ناممکن ہو چکا ہے۔

یہ سیلاب مغربی تہذیب کے گہواروں سے شروع ہوا اور اب دیندار مسلمانوں تک کے گھروں میں گھس چکا ہے ، اور اکابر علماء واتقیاء کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے ، اور یہ بات یقینی دکھائی دے رہی ہے کہ اگر اس سیلاب کو روکنے کی جدوجہد میں اہل حق نے اپنے تمام وسائل داؤ پر نہ لگادیے تو چند سالوں کے بعد ہلاکت آفرین طوفان کے مقابلہ کی سکت ہی باقی نہ رہے گی۔

## دینی درسگاہیں اور حب جاہ ومال کے فتنہ

دینی درسگاہوں اور اداروں کی اول تو کوئی معتد بہ تعداد ہی نہیں اور جو ہیں وہ بھی کسمپرسی کے عالم میں ہیں اور جو کچھ کام کررہے ہیں ان کا بھی حلقہ اعانت وہمدردی روز بروز سمٹ رہا ہے ، اسی لئے ان اداروں کے اثرات مدہم سے مدہم تر ہوتے جارہے ہیں ، اور ان اداروں سے اب ایسی شخصیتیں نہیں ابھر رہیں جو الحاد وزندقہ اور ضلالت جدیدہ کے علی الرغم علم اسلام کو ہمت وجرأت سے بلند کرسکیں ، اور دعوت الی اللہ کے تقاضے کو پورا



کرسکیں ، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دینی درسگاہوں اور اداروں میں بھی فکر آخرت سے زیادہ جاہ ومال کی طلب غالب ہونے لگی ہے اور روحانی قدروں پر مادیت غالب آتی جارہی ہے۔

ان حالات میں نگاہیں بار بار ان چند اصحاب فکر وعمل کی جانب اٹھتی رہیں جو ماحول کی نامساعدت کے علی الرغم عنداللہ مسئولیت کا احساس رکھتے ہیں ، جن کی نظریں ان فتنوں پر بھی ہیں جن کی نشاندہی ابھی کی گئی ہے اور جو اپنی اپنی حد تک ادائیگی فرض میں کوشاں بھی ہیں ، ان حضرات کی اکثریت دینی اداروں سے متعلق ہے کچھ دینی تعلیمی اداروں کو چلارہے ہیں اور کچھ تصنیف وتالیف افتاء اور اپنے افکار کی نشر واشاعت تیز لادینی ، الحاد اور تجدد کی تردید میں مصروف ہیں ، بلاشبہ ان حضرات کی تعداد بہت کم ہے لیکن اگر ان کی مساعی حسنہ کو منظم کرلیا جائے تو یہ امید بندھتی ہے کہ اس الحاد وبے دینی اور اشاعت فواحش ومنکرات کے سیلاب کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے ، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ ہمارے ضعف وناتوانی کو دیکھ کر وہ ان حقیر مساعی میں حالات کا رخ بدلنے کی قوت واستعداد پیدا فرمادیں ، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

## فروعی وجزئی اختلافات خدمت دین سے مانع ہوجاتے ہیں

یہاں یہ عرض کرنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ ہم دین کی خدمت کرنے والے چند ایسی الجھنوں میں بھی پھنسے ہوئے ہیں جو ہماری دینی مساعی کے ثمر آور ہونے میں مانع ہیں بلکہ بے دینی کے اس سیلاب کو ہمارے ان مشاغل سے مدد بہم پہنچ رہی ہیں۔

مواتعات کے اس سلسلہ کی "پہلی" کڑی یہ ہے کہ دین کے نام پر کام کرنے والے بہت سے اہل علم خود فروعی مسائل پر مناظروں مباحثوں اور ان کے نتیجے میں جنگ وجدال

کے اندر ایسے گرفتار ہیں کہ اولاً تو یہ جھگڑے انہیں یہ سوچنے کی فرصت ہی نہیں دیتے کہ اسلام اور قرآن ان کو کس محاذ پر اپنی طاقت صرف کرنے کیلئے پکار رہا ہے اور وہ کہاں اپنی توانائی ضائع کر رہے ہیں، ''ثانیاً'' الحاد و بے دینی اور تجدد پسندی اور بداعمالی و بداخلاقی کا جو طوفان پورے عالم اسلام کو اپنے لپیٹ میں لئے ہوئے ہے، یہ تگ و دو جو باہمی مناقشات کی صورت میں کر رہے ہیں اس طوفان سے صرف نظر کا سبب بن رہی ہے اور ہم اس کی ہلاکت و بربادی کے صحیح شعور سے ہی محروم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

یہ صورت حال اس امر کی متقاضی ہے کہ دین کا علم اور عند اللہ مسئولیت کے قوی احساس کے تحت اس عالمگیر فساد کی اصلاح کا قومی داعیہ رکھنے والے حضرات کو دینی مساعی کو ایک ایسے اجتماعی نظم کے تحت منظم کیا جائے جو مروجہ قسم کی جماعت سازی کے بجائے اسلام کے اصول اجتماعیت :

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ اور ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ﴾

کے تحت قائم ہو، رسمی تکلفات اور پابندیوں سے مبرّا ہو اور امت میں کسی قسم کے تحزب اور تشتت کا باعث بننے کے بجائے باہمی ائتلاف واتحاد کا ذریعہ ہو۔

مگر افسوس ہے کہ میں اپنی عمر کے اس حصہ سے گذر رہا ہوں کہ جس میں عادتاً سابقہ مشاغل بھی چھوڑ کر یکسوئی کی زندگی موزوں ہوتی ہے، قویٰ کا انحطاط ہے، حافظہ غائب ہوتا جا رہا ہے، ایسی حالت میں کسی نئے کام کے آغاز کی کوئی صورت نہ تھی، مگر اس وقت میرے محب محترم ''مولانا محمد یوسف صاحب بنوری'' نے (بارک اللہ فی علمه و عافیته) ہمت بندھائی اور اس کام کا بار اٹھانے کے لئے مخلصانہ جدوجہد پر کمربستہ ہوگئے، ان کا علم وفضل محتاج تعارف نہیں، اصلاح مفاسد کے لئے ان کی بے چینی کا جذبہ مجھ جیسے بوڑھے کے لئے ایک طاقت کا انجکشن بن گیا اور ہم دونوں نے مل کر کچھ اور اہل فکر حضرات کو جمع



کرنے کا پروگرام بنایا۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ دعوت تمام رسمی تکلفات تنظیمی اور جماعتی بندھنوں سے بالاتر ہے، اسی لئے وقتی طور پر جن حضرات اہل فکر وعمل کے اسماء گرامی زیر مشورہ آئے ان کو دعوت دی گئی، نہ اس میں حضرات علماء کا انحصار ہے، نہ اہل فکر وبصیرت کا بلکہ ایک کام کو سادگی کے ساتھ شروع کرنے کیلئے چند حضرات کا مشورہ اس وقت کافی سمجھا گیا، آگے اللہ تعالےٰ اس کام کو بڑھائیں اور قبول فرمائیں تو اس حلقہ کی توسیع اور دوسرے حضرات کا اشتراک واجتماع انشاء اللہ بڑھتا رہے گا۔

اس نظام کو چونکہ سیاسی اور رسمی تنظیموں سے مختلف بالکل سادہ رکھنا مطلوب ہے اس لئے ابتدا میں تو یہ خیال تھا کہ اس نظام کا کوئی خاص نام بھی نہ رکھا جائے مگر کام کی سہولت کے پیش نظر بعض حضرات کے مشورہ سے اس رائے کو ترجیح حاصل ہوئے کہ اس نظام کا نام ''مجلس دعوت واصلاح'' رکھا دیا جائے۔

## مجلس دعوت واصلاح کے مقاصد

۱- الحاد وارتداد و بے دینی اور تحریف دین اور مجمع علیہ منکرات کے سد باب کے لئے زبانی اور تحریری جدوجہد۔

۲- مسلمانوں کے مختلف طبقات کے گروہی اختلافات کو معتدل کر کے سب کو مجمع علیہ فواحش ومحرمات اور تحریف والحاد کی مدافعت پر جمع کرنا۔

۳- جدید پیش آنے والے مسائل میں انفرادی فتوؤں کے بجائے باہمی مشورہ سے تحقیق اور اجتماعی فیصلے پیش کرنا۔

تشریح:-

۱- الحاد وارتداد کے ذیل میں عیسائی مشنریوں کی یلغار، انکار حدیث، انکار ختم نبوت وغیرہ کے فتنے بھی شامل ہیں۔

۲- بے دینی اور تحریف دین کے ذیل میں اسلامی ثقافت، اسلامی ریسرچ کے نام پر پیدا کئے ہوئے شکوک وشبہات جن کے ذریعہ سود، شراب، قمار، بے حیائی وغیرہ محرمات شرعیہ کے جواز کے راستے نکالے جارہے ہیں، اور مغربی تہذیب وتمدن کی پیداوار منکرات مثلاً بے حجابی، بادہ نوشی، مردوزن کا بے محابہ اختلاط، عریانی فحاشی، رقص وسرود کی محفلیں، اسراف وغیرہ کے منکرات شامل ہیں، دین اور علم دین سے بیگانگی اور عقیدہ آخرت وفکر آخرت سے غفلت کے پیدا کردہ جرائم مثلاً جھوٹ، فریب، رشوت دھوکادہی، جعلسازی اور ترک نماز وروزہ وغیرہ شامل ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ مقاصد اتنے کثیر اور وسیع ہیں کہ کوئی ایک جماعت یا ملک کا کوئی ایک حصہ ان سب کا بیک وقت احاطہ نہیں کرسکتا، اس لئے ضروری ہے کہ پاکستان کے ہر ہر حصہ میں اہل حق کی جماعتوں کے لئے اشتراک عمل کا دروازہ کھلا رکھا جائے اور ''الأهم فالأهم'' کے قاعدہ سے انتخاب اور پھر تقسیم کار کے اصول پر کام کیا جائے اور عملی قدم اٹھایا جائے اور جماعت کے چند ذمہ افراد اس کی تعیین کا کام کریں۔

## نوعیت نظام:-

۱- یہ نظام خالصاً تبلیغی اور اصلاحی ہوگا، مروجہ سیاسی طریقوں سے بالخصوص انتخابات کے ذریعہ نمائندگی، نیز حصول اقتدار کی کشمکش میں حصہ لینے سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

۲- ملک کے حالات اور عوامی جماعتوں کے طویل تجربہ کی بنیاد پر اس نظام کے لئے کوئی رسمی قسم کی جمہوری جماعت بنانا پیش نظر نہیں جس کے لئے ممبر سازی اور عہدوں، منصوبوں کی ضرورت پیش آئے بلکہ ملک کے اطراف میں جہاں جہاں جو مخلص حضرات



اس کام کی فکر رکھتے ہیں اور اپنے اپنے حلقہ اثر میں اپنے کام میں آزاد وخود مختار رہتے ہوئے اس کام کی نوعیت اور طریق کار میں ایک معاہدہ کے پابند ہوں گے جسکی تفصیل ذیل میں درج ہیں، اس طرح یہ نظام ایک ''معاہداتی وفاق'' کی حیثیت رکھے گا اور عند اللہ مسئولیت کی اساس پر قائم اور جاری رہے گا۔

## اس نظام کی رکنیت کی شرائط

اس نظام کے شرکاء مندرجہ ذیل امور کا معاہدہ کریں گے:-

(الف) ہم خالصاً لوجہ اللہ مقاصد ثلاثہ مذکورہ کو اپنے سب کاموں سے زیادہ اہمیت دیں گے اور موجودہ مشاغل میں سے اس کام کے لئے معتد بہ وقت نکالیں گے۔

(ب) الحاد، بے دینی اور مجمع علیہ منکرات ومحرمات کے ازالہ کی جدوجہد اور اپنے اقرباء واحباء نیز معاشرہ کے ہر طبقہ بشمول حکمران وفرمانروایان ملک سب کی اصلاح ہمارا مقصد اول ہوگا۔

(ج) فروعی اور گروہی مسائل کی بحثوں کو معتدل بنا کرنے اور کرانے کی جدوجہد کریں گے جس کی صورت یہ ہوگی کہ ان بحثوں کو صرف حلقہ درس وفتویٰ اور خالص علمی مجالس تک محدود رکھا جائے گا، اس کے لئے عام اخباری اور عوامی ذرائع استعمال نہ کئے جائیں گے، مجتہد فیہ مسائل میں اپنے اپنے مختار مسلک پر عمل کریں گے مگر مخالف پر نکیر نہ کریں گے اور منکرات شرعیہ پر نکیر میں بھی حکمت وموعظت اور ''مجادلة بالتی هی احسن'' کے اصول کو نظر انداز نہ کریں گے، طنز اور طعن وتشنیع سے ہمیشہ گریز کریں گے۔

۳- اس نظام کو قائم کرنے اور برقرار رکھنے کے لئے ایک مختصر سی اساسی مجلس شوریٰ ایسے علماء پر مشتمل ہوگی جن کے علمی کارنامے معروف ہوں اور ان کے تقویٰ ودیانت پر عام

طور سے اعتماد پایا جاتا ہو، یہ جماعت اپنا ایک امیر منتخب کرے گی اور اپنے اصول کار خود طے کریگی، ملک میں کام کرنے والے حلقے اس جماعت سے منسلک ہوں گے، اہم امور میں اس مرکزی نظم قائم کرنے والی جماعت سے مشورہ لیا کریں گے۔

۴- یہ مجلس ان کام کرنے والے حلقوں کی ضروری نگرانی اور دوسرے جدید حلقے پیدا کرنے کی کوشش کرتی رہے گی۔

۵- یہ جماعت اپنے تمام حلقہ ہائے کار کے ذمہ داروں کا زیادہ سے زیادہ چھ ماہ کے بعد ملک کے مختلف شہروں میں اجتماع کرنے کا انتظام کرے گی جس میں سابقہ کارکردگی کا جائزہ اور آئندہ کے کام کا پروگرام باہمی مشورہ سے طے کیا جائیگا۔

۶- دعوت واصلاح کے اس نظام میں ملک کے دونوں بازو مغربی اور مشرقی شریک ہوں گے، سہولت کار کی غرض سے مشرقی پاکستان میں اسی طرح کی ایک مجلس شوریٰ بنائی جائیگی اور دونوں مجلسوں کے باہمی مشورہ اور اشتراک وارتباط کا طریقہ مشورہ سے طے کرلیا جائیگا۔

۷- یہ جماعت اس کا بھی انتظام کرے گی کہ نئے پیش آنے والے مسائل میں انفرادی فتاویٰ کے بجائے ملک کے ارباب فتویٰ کی آراء حاصل کرے اور ضرورت ہو تو ان حضرات میں سے جن کی ضرورت محسوس ہو، ان کو جمع کرکے کسی ایک نتیجہ پر پہنچے اور پھر علماء کی تصدیقات حاصل کرکے ان کو شائع کرے تاکہ عوام بھی انتشار میں مبتلا نہ ہوں اور علماء کو بھی زیر بحث مسئلے کے تمام پہلو سامنے آجانے کے بعد صحیح رائے قائم کرنے میں مدد ملے، اس کام کیلئے اگر کسی مسئلہ کی تحقیق میں کسی خاص فن کی تحقیق ضروری ہو تو اس فن کے ماہرین کو بھی علماء کی مجلس میں جمع کرکے ان کی تحقیق سے فائدہ اٹھایا جائے، نیز مشکلات کے حل میں بحیثیت مجموعی کتاب وسنت اور پوری فقہ اسلامی کو بطور اساس سامنے رکھا جائے گا جیسا



کہ ہر اسلامی دور میں ہوتا رہا ہے، اسی طرح کوئی طبی مسئلہ ہوگا تو ماہرین فن اطباء اور ڈاکٹروں سے، اور سائنسی مسئلہ ہو تو ماہرین سائنس سے، علیٰ ہذا دوسرے فنون کے ماہرین سے اس کے حل کرنے میں مدد لی جائیگی۔

۸- سردست یہ اساسی شوریٰ "مجلس دعوت واصلاح" مغربی پاکستان کے مندرجہ ذیل افراد سے تشکیل کی جاتی ہے:

(۱) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع (۲) حضرت مولانا محمد یوسف بنوری (۳) حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی (۴) حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک (۵) حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ (۶) حضرت مولانا امین احسن صاحب اصلاحی (۷) حضرت مولانا خان محمد صاحب کندیاں شریف۔

## طریق کار:-

۱- ملک کے جن حصوں میں اصلاح مقاصد کا کچھ کام ہو رہا ہے اس کو فروعی اور گروہی مسائل میں صرف کرنے کے بجائے مجمع علیہ منکرات اور الحاد وتحریف دین کے فتنوں کی طرف متوجہ کرنا اور "پیغمبرانہ طریق دعوت" کے اصول کو اپنانے کی دعوت دینا۔

۲- ملک کے عام علماء سے روابط پیدا کرنا اور ان کو مذکورہ بالا طریق پر کام کرنے کے لئے آمادہ کرنا۔

۳- خطبات جمعہ اور عام مجلس میں عوام کو ان فتنوں سے متنبہ کرنا اور ان میں فکر آخرت اور ان کا دینی شعور بیدار کرنا، خصوصاً نماز باجماعت کی پابندی اور ضروری علم دین سیکھنے اور اپنے گھر والوں کو سکھانے کی دعوت دینا، اخلاق، معاملات اور اداء حقوق، اور اسلام کی سادہ معاشرت اختیار کرنے کی جانب متوجہ کرنا، مسلمانوں کو مغرب کی مہنگی اور گندی معاشرت سے نجات دلانے کی جدوجہد کرنا۔

۴- دینی مدارس اور اداروں سے ارتباط پیدا کر کے ان کو مندرجہ ذیل امور کے لئے آمادہ کرنا:-

(الف) ضروریات دین اور ناظرہ قرآن کی تعلیم کے مکاتب حسب استطاعت ہر محلہ میں قائم کرنا۔

(ب) بڑی بڑی مساجد میں عوامی درس قرآن اور درس حدیث جاری کرنا۔

(ج) مغربی تعلیم یافتہ حضرات و دینی معلومات بہم پہنچانے اور تحریف دین کے وسائس سے آگاہ کرنے کے لئے شبینہ کلاسیں جاری کرنا اور خصوصی مجالس میں ان موضوعات پر مذاکرے اور مباحثے منعقد کرنا۔

(د) ناخواندہ عوام کو ضروریات دین سے واقف کرنے کے لئے عوامی شبینہ کلاسوں کا انتظام کرنا، جن میں ایسا نصاب پڑھایا جائے جو محدود وقت میں دین کی بنیادی معلومات بہم پہنچانے کا ذریعہ ہو۔

(ہ) خطباء کی خصوصی تربیت کا انتظام کرنا تا کہ وہ بھی دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین کا کام مؤثر اور نتیجہ خیز طریق پر انجام دے سکیں۔

۵- تعلم یافتہ اور مغربی تعلیم کے اداروں، حکمران طبقوں، تجارتی حلقوں، اخبارات و جرائد اور معاشرہ کے دوسرے عناصر کو ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کی جانب متوجہ کرنے کے لئے تحریر و تقریر کا خصوصی مجلسوں ملاقاتوں وغیرہ کے ذریعہ اہتمام و انصرام کرنا۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ، ستمبر ۱۹۶۵ء

# علم کی اقسام اور انکے حصول کا راستہ

علم دنیا میں دو راستوں سے آیا ہے:

۱- ایک علم الٰہی ہے جو بذریعہ وحی انبیاء کرام علیہم السلام کے توسط سے دنیا والوں کو پہنچا ہے، اس علم کے معلم اول خود حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ شانہ کی ذات گرامی صفات ہے، اور اسکے اولین شاگرد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، اس مقدس سلسلہ تلامذہ میں پہلے شاگرد اور معلم ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام ہیں جن کے علم و فضل کا لوہا ملائکہ مقربین تک نے مانا ہے، اور اس لحاظ سے حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ ہی اس علم الٰہی کا پہلا درس حظیرۂ قدس کی درس گاہ میں ملأ اعلیٰ کے فرشتوں کو ہی دیا گیا ہے، یہ علم الٰہی وہ علم ہے جس کے ادراک و معرفت سے عقل انسانی (بذات خود) قاصر و عاجز ہے، اسلئے کہ یہ حقائق الٰہیہ اور علوم غیبیہ عقل انسانی کی دسترس سے بالاتر اور وراء الوراء (دور سے دور تر) ہیں، ارشاد باری ہے:-

﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾

ترجمہ: اور وہ (انسان) نہیں احاطہ کر سکتے اس کے علم کے کسی حصہ پر بھی بجز اسکے جو وہ خود (عطا فرمانا) چاہے۔

اور اس "بما شاء" کے استثناء کے تحت ان علوم کا جو حصہ انسانوں کو دیا گیا ہے وہ **علم الأولین والآخرین** (اگلوں اور پچھلوں سب کا علم) ہونے کا باوجود بھی "قدر قلیل" گویا بحر ذخار کے ایک قطرہ کا مصداق ہے، ارشاد ہے:-

﴿وما أوتيتم من العلم إلا قليلا﴾

ترجمہ: اور جو علم تم کو دیا گیا ہے وہ تو بہت ہی تھوڑا سا علم ہے۔

۲- دوسرا علم وہ ہے جس کا ذریعہ عقل و ادراک کا وہ جوہر لطیف ہے جو خالق کائنات

نے ہر انسان کی فطرت میں علی فرق المراتب (درجہ بدرجہ) ودیعت فرمایا ہے، جس کا ظہور ہر بچہ میں ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی شروع ہوجاتا ہے اور سن وسال، نیز محسوسات ومشاہدات اور تجربات کے اضافہ کے ساتھ بڑھتا اور ترقی کرتا رہتا ہے۔

بحیثیت مجموعی ہر دور میں عقل انسانی میں جتنی پختگی پیدا ہوتی ہوگئی یہ ''فکری ونظری'' علم بڑھتا گیا اور ترقی وتنوع اختیار کرتا رہا اور جوں جوں نسل انسانی کو نت نئی حاجات وضروریات پیش آتی رہیں ان کو پورا کرنے کی تگ ودو میں اس علم کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا۔

## صنعت وحرفت کے معلّم بھی انبیاء کرام علیہم السّلام ہیں

لیکن اس علم انسانی کے مبادی، محسوسات ومشاہدات وتجربات سے انتفاع میں بھی عقل انسانی کی ابتدائی رہنمائی وحی والہام الٰہی کے ذریعہ ہی ہوئی ہے اور تمام تر صنعتوں اور حرفتوں کے اصول ومبادی کے معلم اول بھی انبیاء کرام علیہم السلام ہی ہوئے ہیں۔

چنانچہ تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وہ تمام تر آسمانی تعلیمات جن کی تبلیغ وتعلیم کیلئے انہیں مبعوث کیا گیا تھا وہ معبود حقیقی کی ابتدائی معرفت اور اس روئے زمین پر انسانی زندگی کے ابتدائی لوازمات، غذا، لباس اور مسکن کے مہیا کرنے کے طریقوں کی تعلیم پر مشتمل تھیں، حضرت ادریس علیہ السلام خیاطت (کپڑے سینے) کے معلم اول تھے، حضرت نوح علیہ السلام کشتی سازی اور جہاز سازی کے معلم اول ہوئے ہیں، حضرت داؤد علیہ السلام آلات حرب میں سے زرہ سازی کے معلم اول اور حضرت سلیمان علیہ السلام فنون لطیفہ میں سے عمارت سازی اور ظروف سازی کے معلم اول ہوئے ہیں، معدنیات میں سے خام لوہے سے فولاد تیار کرنے اور تانبہ کو سیال کرنے کی صنعت کے معلم اول بھی حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام ہی ہوئے ہیں، قرآن کریم کی نصوص اور صریح



آیات اس پر شاہد ہیں، چنانچہ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام بذات خود نجار اور تجارت کے معلم تھے۔

لیکن یہ تمام علوم جو انسانی عقل اور قوت اختراع کے ذریعہ پروان چڑھے اور دنیا میں پھیلے درحقیقت علوم نہیں بلکہ فنون صنعت وحرفت ہیں، جنہیں انسانی عقل، موجودات عالم خصوصاً زمین اور اسکی اندرونی وبیرونی پیداوار یعنی معدنیات ونباتات وحیوانات، پہاڑوں اور جنگلات کی طبعی پیداوار کے افعال وخواص اور منفعتوں مضرتوں کے مسلسل مطالعہ اور انکی تحلیل وترکیب سے انسانی ضروریات زندگی پورا کرنے والی نو بہ نو ایجادات واختراعات کو سالہا سال تک بروئے کار لاتی رہی ہے اور یہ نو بنو مصنوعات وجود میں آتی رہی ہیں۔

بہر حال قرآن کریم کی روشنی میں یہ تو مسلم ہے کہ حیات انسانی کے ابتدائی مراحل میں عقل انسانی کی رہنمائی بھی وحی الٰہی کے ذریعہ ہوئی ہے، بلکہ ''مستدرک'' حاکم کی ایک روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت میں نسلاً بعد نسل جو صنعتیں اور حرفتیں قیامت تک وجود میں آنے والی تھی جن کی تعداد اس روایت کے بموجب ایک ہزار ہے وہ سب اللہ جل شانہ نے حضرت آدم کو سکھائی ہیں آیت کریم ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے، فلسفۂ توالد وتناسل کی رو سے بھی آدم یعنی ابو البشر کی خلقت اور فطرت میں ان تمام کمالات وفنون کے اجمالی نقوش موجود ہونے ضروری ہیں، جو انکی ذریت میں بطور توارث نسل انسانی کے مختلف ادوار میں وجود میں آنے والے ہیں۔

## حقیقی علوم کیا ہیں؟

درحقیقت علوم تو وہ ہیں جن کی بنیاد وحی الٰہی سے ظہور میں آئی ہے، اور جو عقل انسانی کی پیداوار ہیں یہ سب صنائع کے درجہ میں ہیں علوم کہلانے کے مستحق ہی نہیں، البتہ خدمت

خلق کے جذبے سے اگر ان کواپنایا جائے تو باعث رضاء الٰہی ہیں، اوراس وقت دنیاو آخرت کی تفریق بھی ختم ہوجاتی ہے، اگر کوئی شخص انگریزی زبان کو صرف اسلئے سیکھتا ہے کہ یورپ، امریکہ میں جاکر اسلام کی دعوت وتبلیغ کا کام کرے تو بدترین اعداء اسلام کی زبان اعلیٰ ترین دین اسلام کی خدمت اور رضاء الٰہی کا ذریعہ بن جاتی ہے، دراصل جو حضرات انگریزی زبان میں ماہر ہوتے اور چند حرف عربی کے بھی سیکھ لیتے ہیں ان کا غرور وکبر آسمان سے باتیں کرنے لگتا ہے سمجھتا ہے کہ تمام کمالات کا سرچشمہ انکی ذات والاصفات میں جمع ہوگیا ہے، اور طبعاً علماء دین اور مدارس عربیہ ودینیہ کی تحقیر وتوہین پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔

## عصری تقاضوں کے پیش نظر مدارس کا نصاب ترجیح کامحتاج ہے

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ عصری تقاضوں کے پیش نظر مدارس دینیہ کا نصاب بہت سی ترمیم کا محتاج ہے یہاں احتیاج زیادہ شدید ہے کیونکہ اسلام سے انحراف بڑھتا جارہا ہے، ''مولوی'' بے چارے اگر دنیا سے محروم ہورہے ہیں تو ''مسٹر'' دین کو چھوڑ کر آخرت سے بے بہرہ ہورہے ہیں، دینی مدارس کے مرثیہ خوانوں سے گذارش ہے کہ ہم دین پر قانع ہیں، سرکاری ملازمتیں تمہیں مبارک ہوں، ہمارا غم نہ کھاؤ اپنی خیر مناؤ، ہماری دنیا کی فکر نہ کرو اپنی آخرت کی فکر کرو، قرآن وحدیث، فقہ اور علوم اسلامیہ کی تدوین، امامت وخطابت کے فرائض، دعوت وتبلیغ کی خدمات، افتاء وارشاد اور اصلاح وہدایت کے وقیع منصب کو پر کرنا کیا مسلمانوں کی قومی ضرورت نہیں ہے؟ ان دینی مناصب عالیہ کے مقابلہ میں دفتر کے کلرکوں کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے؟ دینی مدارس کے فارغ التحصیل احساس کمتری میں مبتلا ہوں تو کیوں؟ دنیا میں تقسیم کار کا اصول سب کو مسلم ہے کہ تمام شعبوں کا کام ایک ہی ادرہ نہیں سنبھال سکتا، مثلاً سول سروس کے لئے الگ، عدالت وقانون کے لئے الگ اور فوج



کیلئے الگ رجال کار کی ضرورت ہوتی ہے، اس اصول کو یہاں بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، اگر دینی مدارس کوئی اور کام نہ کریں، صرف ان دینی مناصب کو پر کرلیں تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ بہر حال ان حقائق کے پیش نظر یہ سطحی سی بات کہنا کہ موجودہ مدارس دینیہ بالکل بے کار اور بے مقصد ہیں کتنے افسوس کی بات ہے؟ جس کا منشا ممکن ہے کہ ناواقفیت اور سطحیت ہو یا پھر دینی مدارس سے بغض وعناد کہنے والے کے ذہن میں غالباً یہ ہے کہ دینی مدارس کا مقصد بھی دنیا ہے آخرت نہیں، اور چونکہ دنیا کے مقصد کے حصول کی اہلیت ان میں نہیں تو گویا یہ بے مقصد ہیں، اناللہ، کیا یہی انداز ہے سوچنے اور سمجھانے کا؟ اللہ تعالے صحیح فہم عطا فرمائے (آمین)

## جدید تعلیم اور اس کا مقصد

قدیم اصطلاح میں تو دینی علم ہی علم کہلانے کا مستحق تھا، دنیاوی علوم کو فنون یا ہنر سے تعبیر کیا جاتا تھا، مگر آج کی اصطلاح یہ ہوگئی ہے کہ قدیم علوم کے ماہر کو ''عالم'' کہا جاتا ہے، اور جدید علوم کے ماہرین کو ''تعلیم یافتہ'' کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے، امریکہ اور یورپ وغیرہ کے جو ممالک جدید علوم کے امام ہیں وہاں آج بھی کسی ''تعلیم یافتہ'' کیلئے ضروری نہیں کہ وہ کسی اسکول میں ٹیچر، کسی کالج میں پروفیسر یا سرکاری دفتر میں ملازم ہو بلکہ وہاں تعلیم کا مقصد ہنر وکمال کی تحصیل سمجھا جاتا ہے تاکہ ہر شعبہ حیات میں ہنر وکمال کے مالک افراد موجود ہوں، ان ممالک میں ٹیکسی ڈرائیور اور بسوں کے کنڈیکٹر بھی گریجویٹ ہوتے ہیں، یہ کہیں بھی نہیں سمجھا جاتا کہ بی اے یا ایم اے ہونے کے بعد دکان پر بیٹھنا یا کارخانے میں جانا یا ڈرائیور بننا باعث توہین ہے، پھر نہ معلوم ہمارے ملک میں یہ کیوں ضروری سمجھا لیا گیا ہے کہ جو شخص تعلیم یافتہ یا گریجویٹ ہو اس کیلئے سرکاری ملازمت لازم ہے ورنہ اسکی حق

تلفی اور اسکی ڈگری کی توہین متصور ہوگی۔

برطانوی دور میں اس جدید تعلیم کا مقصد بلاشبہ یہی سمجھایا گیا تھا کہ اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں سے تیار ہونے والے افراد سرکاری مشینری کے کل پرزے بنیں گے، کیونکہ اس اجنبی ملک میں حکومت کی انتظامی ضرورت پوری کرنے کیلئے ان کو ایک ایسی نسل کی ضرورت تھی جس سے ان کی حکومت کا کاروبار چل سکے، وہ انگلستان سے اتنے انگریز یہاں نہیں لاسکتے تھے کہ اتنے بڑے برِّ کوچک کا تمام کام سنبھال سکیں، انہیں دنیا کے دوسرے ممالک پر بھی حکمرانی کرنی تھی، کلیدی مناصب تو ضرور وہ ان ہی کو دیا کرتے تھے یا پھر ان کو جو سو فیصد ان کے حاشیہ بردار بن جائیں، مگر نچلے درجہ کیلئے انہیں یہیں سے آدمی مہیا کرنے تھے، علاوہ ازیں اس جدید تعلیم سے انگریز کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ہندوستانی لوگ انگریزی تہذیب وتمدن کے اتنے دلدادہ ہوجائیں کہ ظاہر وباطن میں انگریزی ہی انگریز نظر آئیں اور لارڈ میکالے کی پیش گوئی پوری ہوجائے الغرض یہ ذہنیت انگریزی دور کی پیداوار ہے کہ تعلیم حاصل کرنا صرف ملازمت کے لئے ہے، ظاہر ہے کہ تعلیم کی رفتار میں ہر سال تیزی سے اضافہ ہورہا ہے اور سرکاری مناصب اور ملازمتیں محدود ہیں، تعلیمی تناسب سے ان میں اضافے کا امکان نہیں، نہ یہ ممکن ہے کہ تمام تعلیم یافتہ افراد کو سرکاری ملازمتوں میں کھپایا جاسکے اور یہ تو طلبہ کا مسئلہ تھا، اس پر مستزاد یہ کہ طالبات بھی اب تعلیم کے میدان میں اسی تیز رفتاری سے ترقی کررہی ہیں اور وہ بھی ملازمت کی خواہاں ہیں، جب نئی نسل کو مستقبل تاریک نظر آتا ہے تو ان میں بے چینی پھیلتی ہے اور اس کا نتیجہ اس عبرت ناک منظر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو گذشتہ دنوں کراچی یونیورسٹی میں تقسیم اسناد کے موقعہ پر دیکھنے میں آیا کہ گورنر تک کیلئے آبرو بچانا مشکل ہوگیا، یہ ہیں جدید تعلیم کی برکات! اور یہ ہیں جدید تعلیم یافتہ حضرات!



﴿اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَار﴾!

یہ صورت حال تمام اہل دانش اور ارباب اقتدار کیلئے لمحہ فکریہ ہے، اگر جدید نسل کے اس ذہنی کرب کا صحیح حل تلاش نہ کیا گیا تو اسکے نتائج اس سے زیادہ ہولناک ہوں گے۔

## مذہب اور جدید تعلیم

الغرض مذہب کی تعلیمات انسان پر روز افزوں دنیاوی ترقی کے دروازے ہرگز بند نہیں کرتیں، اس کو جاری رکھنے اور اس کے لوازمات مہیا کرنے پر قدغن ہرگز نہیں لگاتیں، مذہب کے متعلق اس قسم کی بہتان تراشی اور اس بنیاد پر خدا کی مخلوق کے دلوں میں مذہب سے نفرت اور بیزاری کے جذبات پیدا کرنا درحقیقت خدا دشمن شیطانوں کا شیوہ ہے اور لادینی کی طرف دعوت دینے والے ملحدوں کا رسوا کن پروپیگنڈہ ہے۔

ذرا سوچئے! مذہب اگر انسان پر روز افزوں مادی ترقی کے دروازے بند کرے تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ لامحدود قدرت خداوندی کے نو بہ نو کرشموں اور عجائبات اسرار الٰہی کے اس مظہر یعنی کارخانہ قدرت کی تخلیق عبث ہے، اور یہ گردش لیل ونہار اور وقت کی رفتار بے معنی اور انسانی فطرت میں ایجاد واختراع کا جوہر ودیعت فرمانا عبث ہے، حالانکہ خالق کائنات کا ازلی ابدی کلام، قرآن عظیم، اسی آسمان وزمین کی متنوع اور گوناگوں مخلوق اور اسی روز وشب کی گردش یعنی وقت کی رفتار کو ارباب بصیرت کے لئے خالق کائنات کی آیات (عجائبات اور کرشموں) کا مظہر قرار دے رہا ہے، ارشاد ہے:-

﴿اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ
اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کی گردش میں

ارباب عقل وخرد کیلئے بے شمار (قدرت کی) نشانیاں (رکھی ہوئی) ہیں۔

اورانہی آیات کودیکھ کرتو وہ بے ساختہ کہتے ہیں:-

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

ترجمہ: اے ہمارے رب! بے شک اس (آسمان وزمین) کوتو نے بیکار اور بے مقصد نہیں پیدا کیا تو تو (بیکار وعبث کام کرنے سے) پاک ومبرا ہے، پس تو ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا (اوراس جہل وکج فہمی اور جحود وعناد سے محفوظ رکھ)۔

اسلئے مذہب اوردینی تعلیمات پراس سے بڑھ کرکوئی بہتان نہیں لگایا جاسکتا کہ وہ روز افزوں ترقیات کے دروازے اپنے ماننے والوں پر بند کرتا ہے یا علوم دینیہ کی اشاعت دنیوی ترقیات کے منافی ہےاوران علوم کی درس گاہوں کا وجود ملکی ترقی واستحکام کی راہ میں حائل ہے۔

بلکہ مذہب توان تمام انسانی ایجادات واختراعات اور مصنوعات پر جواب تک ہوئی ہیں یا آئندہ ہوتی رہیں گی کنٹرول کرتا ہے، جسکی بقاوارتقااوراستحکام کیلئے شدید ضرورت ہے کہ ان کا استعمال صحیح اور برمحل ہو، خالق کائنات کی منشاء اور مرضی کے خلاف اور منافی نہ ہو، انسانیت کی فلاح وبہبود کیلئے استعمال کیا جائے انسانیت کوظلم وعدوان کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے کیلئے ان سے کام ہرگز نہ لیا جائے، روئے زمین پر امن واسلام قائم کرنے اور معاشی، اقتصادی اور سیاسی فتنہ وفساد، استعماری لوٹ کھسوٹ کو مٹانے کیلئے ان سے کام لیا جائے، کمزور قوموں کومغلوب ومقہور کرکے ان کے ملکوں کے ذخائر ثروت ورفاہیت پر ڈاکہ ڈالنے اوراستحصال بالجبر کرنے کی غرض سے ہرگز ہرگز ان سے کام نہ لیا جائے۔



## جدید تعلیم اوراسکے چند مہلک اثرات

اسی جدید تعلیم اوراس کے لادینی نظام نے لسانی عصبیت اورصوبہ پرستی کی لعنت کوجنم دیا جسکی وجہ سے مشرقی بازوکٹ گیا اوراب کراچی اور سندھ میں بھی شب وروز اسکے دردناک مناظر دیکھنے میں آرہے ہیں، نہ معلوم اس بدنصیب قوم کاانجام کیا ہوگا؟ انسانی اقداراوراحترام انسانیت کاشعور پیدا کرنے کیلئے دین ومذہب کے سوا کوئی چارہ نہیں، ہم بارہاان صفحات میں صاف صاف کہہ چکے ہیں کہ آخرت کی نجات اوردنیا کی سعادت صرف اسلامی تعلیمات اوراسلامی ہدایات واحکامات میں مضمر ہے، اس کے سوا خسارہ ہی خسارہ ہے، تعلیم کا مقصد روح کی بالیدگی، نفس کی پاکیزگی، سیرت وکردار کی بلندی اورظاہروباطن کی طہارت ونظافت ہونی چاہئے، اور یہ جب ہوسکتا ہے کہ اس تعلیمی قالب میں دینی روح بطور مقصد جلوہ گرہواور جب تم اپنے وسائل کی پوری قوت سے دین کوختم کررہے ہو، اوردین کا مضحکہ اڑاکراسے رسوا کرنے کی ہرممکن کوشش کررہے ہوتو اسکے بدترین نتائج کیلئے بھی تیار رہو:

"خرمانتواں یافت ازاں خارکہ کشتیم"

## جدید نسل کی بے چینی اورتعلیمی ادارے

ہمارے نزدیک کرب وبے چینی کے متعدد اسباب ہیں، سب سے اہم تو یہ ہے کہ جدید تعلیمی اداروں میں دینی ماحول، دینی تربیت اوردینی ذہن وفکر کی ضرورت کوکبھی محسوس نہیں کیا گیا، بلکہ اس کے برعکس نئی نسل کودین سے بیزار کرنے کے تمام اسباب ووسائل مہیا کئے گئے، دین کو"ملائیت" کا نام دیکر نوخیز ذہنوں کواس سے نفرت دلائی گئی، علمائے دین کیلئے طرح طرح کے القاب تجویز کرکے انہیں "تعلیم یافتہ" طبقہ کی نظر میں گرانے کی ہرممکن کوشش کی گئی، ذرائع نشرواشاعت کوتمام حدود وقیود سے آزادکرکے انہیں بددینی کا مبلغ

بنادیا گیا، اس پر مستزاد یہ کہ لادینی نظریات کا پرچار کرنے کیلئے مستقل ادارے قائم ہوئے، اور سرکاری طور پر ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کی گئی، اب خود سوچئے کہ جس نوخیز نسل کے سامنے گھر کا پورا ماحول بے دین ہو، تعلیم گاہوں میں دینی ماحول کا فقدان ہو، گلی کوچوں سڑکوں اور بازاروں سے بے دینی کا غلیظ اور مسموم دھواں اٹھ رہا ہو، زندگی کے ایک ایک شعبہ سے دین کو کھرچ کھرچ کر صاف کردیا گیا ہو، والدین سے اساتذہ تک اور صدر سے چپراسی تک نئی نسل کے سامنے دینداری، خداترسی اور خوف آخرت کا کوئی نمونہ سرے سے موجود نہ ہو، اور جس ملک میں قدم قدم پر فواحش ومنکرات، بے حیائی وبداخلاقی اور درندگی وشیطنت کا سامان موجود ہو کیا آپ وہاں کی نئی نسل سے دینداری شرافت اور انسانی قدروں کے احترام کی توقع کرسکتے ہیں؟ جس نسل کا خمیر تخریب سے اٹھایا گیا ہو، کیا وہ کوئی تعمیری کارنامہ انجام دے سکتی ہے؟ جو خود معاشرہ کے عمومی بگاڑ کی پیداوار ہو کیا وہ کسی درجہ میں بھی معاشرہ کی اصلاح کیلئے مفید اور کارآمد ہوسکتا ہے؟

تم لاکھ تعلیمی ترقی اور اعلیٰ تہذیب کے ڈھنڈورے پیٹو، لیکن خوب یاد رکھو تعلیم کا ماحول جب تک دینی نہیں ہوگا، نئی نسل کے سامنے والدین، اساتذہ اور اہم شخصیتوں کی شکل میں اخلاق وانسانیت اور دینداری وخداخوفی کے اعلیٰ نمونے جب تک موجود نہیں ہوں گے، تعلیم میں جب تک دینی تربیت مطمح نظر نہیں ہوگی اور جب تک اخلاق واعمال، جذبات وعواطف اور رجحانات ومیلانات کی اصلاح نہیں ہوگی تب تک یہ مصیبت روزافزوں ہوتی جائے گی، تعلیم سے جب اسلامی روح نکل جائے، اخلاق تباہ ہوجائیں، انسانی قدریں پامال ہوجائیں اور مقصد صرف حیوانیت اور شکم پروری رہ جائے تو اس تعلیم کے یہ دردناک نتائج ظاہر نہیں ہوں گے تو اور کیا ہوگا؟

صد حیف! کہ آج انسانیت کی پوری مشین ''پیٹ'' کے گرد گھومنے لگی ہے، آج کی تمام



تعلیم، تمام تربیت اور تمام تہذیب کا خلاصہ یہ ہے کہ حیوانی زندگی کے تقاضے کیسے پورے کیے جائیں؟ دین جاتا ہے تو جائے، اخلاق مٹتا ہے تو مٹیں، انسانیت پامال ہوتی ہے تو ہو مگر ہمارے حیوانی تقاضے اور نفسانی خواہشات بہرحال پوری ہونی چاہئیں، نہ دین سے تعلق، نہ اخلاق سے واسطہ، نہ انسانیت، کا شعور، نہ افکار صحیح، نہ خیالات درست، نہ خدا کا خوف، نہ آخرت کی فکر، نہ مخلوق سے حیاء ﴿انا للہ وانا الیہ راجعون﴾

## جدید تہذیب ومخلوط تعلیم کی برکات

گذشتہ دنوں کراچی میں ہاکس بے کا جو واقعہ پیش آیا اس پر نہ صرف تمام جرائد واخبارات بلکہ حکمران بھی چیخ اٹھے کہ جدید نسل کی بے حیائی نے مسلمانوں کو شرم وحیا کے مارے زندہ درگور کردیا، بے شرمی وبے حیائی کو خود اپنے ہاتھوں پھیلانے کے بعد پھر نہ معلوم کیوں چیختے ہیں؟ یہ جدید تہذیب کی برکات اور جدید مخلوط تعلیم کے ثمرات ہیں، تعجب وافسوس تو اس پر ہے کہ اس قسم کے شرمناک واقعات کے جو حقیقی عوامل واسباب ہیں ان کو کیوں پیش نظر نہیں رکھتے؟ مخلوط تعلیم کی وبا لڑکوں اور لڑکیوں کا بے تکلف اختلاط، عام معاشرہ میں دینی ماحول کا فقدان، کالجوں اور اسکولوں میں دینی تربیت کا فقدان، زیب وزینت کرکے تفریح گاہوں میں ان کو لے جانا، سینما اور ٹی وی کے روح فرسا مناظر کارات دن کا مشغلہ، قدم قدم پر عریاں مناظر، حیاسوز مظاہر اور پھر یہ شکوہ؟

''خود کردہ را چہ علاج؟''

جب یہ جدید نظام تعلیم کے برکات ہیں، تو کیوں اس پر غور نہیں کرتے کہ اس نظام کو بدلا جائے، اس بے حیائی کا قلع قمع کیا جائے اس کے تمام اسباب کو چن چن کر ختم کیا جائے، ہمارے نزدیک ان تمام شرور وفتن کی جڑ ہے، صنف نازک کو پردہ عفت وعصمت سے نکال

کر اسکول، کالجوں میں بھیجنا، سینماؤں اور کلبوں میں لئے لئے پھرنا، انہیں گلیوں، بازاروں اور اسٹیجوں پر جلوہ نمائی کی دعوت دینا، اگر لڑکیوں کے لئے کسی درجہ میں اسکولوں کی تعلیم ضروری ہے تو صرف دینی و معاشرتی ابتدائی تعلیم تک پردے میں ہونا چاہیے، لباس و پردہ کی پابندی ضروری ہے، مخلوط تعلیم کو ممنوع قرار دیا جائے ورنہ جو شرمناک مظاہر پیش آئے آئندہ اس سے زیادہ کا خطرہ ہے۔

﴿اللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

# پاکستان اور نظام تعلیم

صدمے کی بات ہے کہ تمام عربی اسلامی دنیا میں ابتدائی تعلیم کی بنیاد دین پر رکھی جا رہی ہے، دنیا کی ضروریات کو یقیناً تعلیم کا جز بنا دیا گیا ہے، لیکن ڈھانچہ دینی ہے، چنانچہ حکومت کے ابتدائی مکاتیب (پرائمری اسکول) میں ہی مسلمان بچے بقدر ضرورت یعنی ''فرض عین'' دین سے واقف ہو جاتے ہیں، لیکن ہماری بدنصیب مملکت ہے کہ آج تک اس کے تعلیمی نظام کا ڈھانچہ دینی نہ بن سکا، اگر بچہ ابتدائی دینی مکتب میں یا اپنے گھروں میں والدین کے زیر سایہ دین نہ سیکھ سکا تو موجودہ اسکولوں، کالجوں کے دائرے میں وہ مسلمان کبھی نہیں بن سکتا، نہ فرائض دین سے واقف ہو سکتا ہے نہ عقائد اسلامیہ سے، یہ ہمارے اس تعلیمی نظام کا سب سے بڑا المیہ ہے جو ہمدردان ملت کی اولین توجہ کا محتاج ہے۔

تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں بہت اہم مسائل در پیش ہیں، اسکول میں ڈرائنگ کے پیریڈ میں بچوں سے مختلف صورتیں اور شکلیں بنوائی جاتی ہیں اور جاندار چیزوں کے بھی فوٹو اور تصویر بنوائے جاتے ہیں، کتابیں تصاویر سے آراستہ کی جاتی ہیں، ہر قصہ میں اس کی تصاویر آتی ہیں اور اب انتہا یہ ہوگئی ہے کہ انبیاء کرام علیہ الصلوۃ والسلام وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تصاویر سب بنائی گئی ہیں بلکہ آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء ﷺ تک سارے مشہور انبیاء کرام جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے سب کی تصویروں کے ساتھ واقعات لکھے گئے ہیں، بعض عرب ممالک اسلامیہ نے اس معصیت کو اتنا رائج کر دیا کہ عقل حیران ہے۔

میڈیکل کالجوں میں تشریح الاعضاء اور جراحت (اناٹومی، سرجری) کی تربیت کے سلسلہ میں لاوارث مردوں کی لاشیں دی جاتی ہیں، ان کی چیر پھاڑ کی جاتی ہے اور اس طرح

مسلمان اموات کی بے حرمتی کا یہ سلسلہ جزو تعلیم بن چکا ہے، پھر لڑکوں اور لڑکیوں کی یہاں مخلوط تربیت دی جاتی ہے، ایک دوسرے کے اعضاء مستورہ پر بلا تکلف عمل جراحی کرایا جاتا ہے، اس طرح یہ تربیتی سلسلہ بھی جاری ہے۔

نہ معلوم وزارت تعلیم تعلیمی پالیسی کے نافذ کرنے میں اب تک کیوں تامل کر رہی ہے؟ سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں جلد از جلد جدید تعلیمی پالیسی کو نافذ کردینے کی ضرورت ہے، مگر مفکرین کی طرف سے پیش شدہ ترمیمات کی روشنی میں قدم اٹھانے کی ضرورت ہے ملک کی اندرونی اصلاحات اور صحیح معنی میں زندہ اور جاندار قوم کی تخلیق اور معاشرے کی اصلاح بغیر صحیح تعلیم کے ناممکن ہے، اور اسلامی خطوط پر مسلمان نسل کی تربیت بغیر اسلامی تعلیمات کے ناممکن ہے، حقیقی معنی میں پاکستان اور اس عظیم اسلامی مملکت کے خواب کی تعبیر اسی وقت پوری ہوسکے گی کہ ہمارے جدید نظام تعلیم کا تانا بانا اسلامی تعلیمات کے پیمانہ پر بنا ہوا ہو، اسلامی تعلیم و تربیت ہی سے اسلامی اخلاق پیدا ہوں گے، ظلم وعدوان، بے حیائی وعریانی، رشوت و بے انصافی وغیرہ جن برائیوں نے ہماری قوم کی جڑیں کاٹ کر رکھ دی ہیں ان سب کی اصلاح صحیح اسلامی تربیت اور اسلامی ماحول سے ہی ہوسکتی ہے، مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ اسلامی تعلیم واقعی اسلامی تعلیم ہو ان مسلمان مؤلفین ومصنفین کی کتابیں داخل نصاب کی جائیں جن کے ذہن وفکر استشراقی ذہنیت اور یورپین اقوام کی ذہنی وفکری غلامی اور مرعوبیت کے زہریلے اثرات سے پاک وصاف خالص اسلامی ہوں، اگرچہ اب تک ہو یہی رہا ہے کہ شہرہ آفاق دشمنان اسلام مستشرقین کی تصانیف ''اسلامیات'' اور ''ایم اے عربی'' کے نصابوں میں داخل کی جاتی ہیں، قومی ڈھانچہ کی اصلاح کے لئے تعلیمی نظام ہی روح رواں ہوتا ہے اگر یہ نظام صحیح ہوجائے تو تمام اجتماعی نظام صحیح ہوجائیگا، اسی لئے چھوٹی چھوٹی حکومتیں بھی جیسے افغانستان وعراق ومصر تعلیم وتربیت



پر ہی اپنے میزانیہ کا اکثر حصہ خرچ کرتی ہیں، تمام عالم اسلام میں صرف پاکستان ہی بدنصیب ملک ہے جہاں نظام تعلیم اب تک حکومت کی صحیح نگرانی، سرپرستی اور خسروانہ کرم سے محروم ہے، اللہ تعالے اس ملک پر رحم فرمائے اور حکمرانوں کو صحیح خدمت خلق کی توفیق نصیب فرمائے (آمین)۔

## مسجدوں میں دنیاوی تعلیم کا حکم

روزنامہ مشرق مؤرخہ ۱۲ اگست ۱۹۶۸ء میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی ہے:-

کراچی ۱۱ اگست (مشرقی رپورٹ) مغربی پاکستان میں مذہبی تعلیم کی اشاعت وترویج کے سلسلے میں محکمہ اوقاف کے تحت کراچی کے سرکردہ علماء کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی، جسکی صدارت ناظم اوقاف کراچی زون نے کی، کانفرنس میں مدرسوں اسکولوں اور کالجوں میں مذہبی تعلیم کو لازمی قرار دیئے جانے کی سفارش کی گئی اور اس مسئلے پر خالص طور پر غور کیا گیا کہ شہر کی درسگاہوں میں مذہبی تعلیم کی صحیح تدریس میں ائمہ مساجد کیا کردار ادا کرسکتے ہیں، کانفرنس میں مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا محمد طیب، مولانا متین خطیب، قاری زاہر قاسمی، مولانا عبید اللہ اور میاں عبدالعزیز نے شرکت کی۔

اجلاس میں اس مسئلہ پر مکمل اتفاق رائے پایا گیا کہ مسلم اوقاف کی انتظامیہ پر یہ لازم ہے کہ وہ مذہبی تعلیم کی اشاعت وترویج میں نمایاں کردار ادا کرے اور اس سلسلہ میں ائمہ مساجد کے دائرہ کار

کووسعت دینے کے سوال پر طویل غور وخوض ہوا، اجلاس کی
رائے میں مذہبی تعلیم کو مدرسوں، اسکولوں اور کالجوں میں
لازمی قرار دیا جانا چاہیے کہ اسلامیات سے نابلد طلباء دوسرے
علوم کی صرف مادی افادیت کے قائل ہو کر نہ رہ جائیں، اسلامیات
کا مضمون بذات خود اتنا وسیع ہے کہ اس کے گوشے زندگی کے تمام
پہلوؤں پر محیط ہیں۔

اجلاس میں شریک علماء کی اکثریت اس بات پر متفق تھی کہ اسلامیات
کی تعلیم کے لئے صرف وہ اساتذہ مفید ثابت ہو سکتے ہیں جنہیں اس
مضمون پر مکمل عبور حاصل ہو، علاوہ ازیں ان اساتذہ کا موجودہ سائنسی
دور کے تقاضوں کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے، طے پایا کہ محکمہ
اوقاف مطلوبہ معیار کے اساتذہ پیدا کرنے کے لئے مناسب قدم
اٹھائے اور اس تمام پروگرام میں ائمہ مساجد کی مسلم معاشرہ میں اہمیت
اور افادیت کو مدنظر رکھے۔

اس خبر کو پڑھ کر نہ صرف تعجب ہوا بلکہ انتہائی صدمہ ہوا کہ حکومت کے ذمہ دار اعلیٰ
مناصب کے مالک حضرات بھی عوام کی سطح پر آکر خلاف واقعہ بات کہنے میں ذرا بھی تأمل
نہیں کرتے، واقعہ صرف یہ ہے کہ جمعہ ۹ اگست کو ''حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب''
''مہتمم دارالعلوم دیوبند'' کے اعزاز میں جناب محمود صاحب اور ان کے بھائی جناب مسعود
صاحب چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف مغربی پاکستان نے عصرانہ کی دعوت دی اور راقم الحروف کو
باصرار بلایا، باتھ آئی لینڈ کی ایک سرکاری کوٹھی میں یہ دعوت دی گئی تھی، چنانچہ راقم الحروف
اور مہمان خصوصی حضرت مولانا قاری طیب صاحب اور قاری زاہر القاسمی وہاں پہنچے، دونوں



بھائیوں نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا، مسعود صاحب مہمان خصوصی کے ساتھ خود بھی بیٹھے اور
راقم الحروف کو بھی بٹھایا، فوٹو گرافر فوٹو لینے جب آیا تو راقم الحروف نے فوٹو لینے سے سختی سے
منع کیا اس پر مسعود صاحب نے پوچھا کیا ناجائز ہے؟ میں نے کہا جی ہاں حرام ہے، فرمایا:
پشاور میں دو صد علماء جمع تھے بعض مشاہیر کا نام بھی لیا، ان میں سے کسی نے تو فوٹو لینے کو جائز
کہا بعض نے مکروہ کہا، اس پر میں نے جواب دیا: مجھ پر کسی کا علم حجت نہیں ہے میں حرام
سمجھتا ہوں، حضرت مولانا طیب صاحب نے بھی دریافت فرمانے پر فرمایا: ''ممنوع
ہے'' اسکے بعد ایک خاص فرقہ کے کروڑوں روپے کے اوقاف پر محکمہ اوقاف کے قبضہ نہ
کرنے کے سلسلے میں گفتگو ہوئی، اس پر موصوف نے اپنی مجبوری کا اظہار فرمایا۔

اتنے میں ہم نے اجازت چاہی اور روانہ ہوگئے، راستہ میں قاری طیب صاحب سے
مسعود صاحب نے پوچھا: اگر مساجد میں دنیوی تعلیم ہو تو کیا حرج ہے؟

قاری صاحب نے فرمایا: ''اس میں کیا مضائقہ ہے''، بس اتنی بات ہوئی اور ہم چلے
آئے، بعد میں باقی ماندہ چند مدعوین تھے ان کے درمیان کوئی تجویز پاس ہوئی یا نہیں ہوئی؟
اس کا ہمیں علم نہیں، لیکن انتہائی ستم ظریفی ہے کہ عصرانے کی دعوت کو ''کانفرنس'' کہنا اور
جس بات کا ذکر بھی مجلس میں نہ آیا ہو اس کو تجویز بتا دینا کتنی حیرت انگیز بات ہے، رہا یہ کہ جو
کچھ کہا گیا ہے وہ دراصل ان کے دل کی آواز ہے اور وہ انتہائی کوشش میں ہیں کہ کسی نہ کسی
طرح مساجد پر قبضہ کر کے ان کو اسکول کے بچوں کی آماجگاہ بنادیں، اس قسم کی باتوں کو:

''كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيْدَ بِهَا الْبَاطِل''

کہا کرتے ہیں، دینی تعلیم ہمیشہ مساجد میں ہوتی رہی ہے اور آج بھی ہو رہی ہے، بڑے
بڑے شہروں میں آج بھی مساجد قرآن وحدیث کی آوازوں سے گونج رہی ہیں، لیکن آپ
یہ چاہیں کہ مسجدوں میں بچوں کو کتوں، بلیوں کے قصے پڑھائے جائیں تو مسلمانوں سے

اسکی توقع نہ رکھیں، مسجدیں اللہ تعالے کی عبادت گاہیں ہیں ان میں جو کام عبادت یا وسیلہ عبادت نہ ہو اس کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی بعض فقہاء نے تو تعلیم القرآن کو بھی اگر تنخواہ لے کر ہو تو ممنوع قرار دے دیا ہے، بہر حال اس وقت اس سے بحث نہیں کہ یہ تجویز صحیح ہے یا غلط؟ افسوس اس کا ہے کہ شاطرانہ طریقے پر عصرانے کی دعوت کو کانفرنس میں تبدیل کردیا گیا، اناللہ، مہمانان خصوصی کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی، جی ہاں صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے:-

(( إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولَىٰ: إِذَا لَمْ تَسْتَحِيْ فَافْعَلْ مَاشِئْتَ ))

ترجمہ: یعنی انبیاء سابقین کی تعلیمات میں سے یہ بات مشہور چلی آئی ہے کہ شرم وحیا اگر نہ ہو تو پھر جی چاہے کر گذرو۔

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور ارباب مناصب کو اپنے شان منصبی کے وقار کو برقرار رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے، (آمین)۔

یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ مسجدوں میں مذہبی تعلیم وتربیت سے کون انکار کرسکتا ہے، لیکن دراصل سوال یہاں مذہبی تعلیم کا نہیں بلکہ سوال تو یہ ہے کہ مسجدوں کو اسکول بنادیا جائے؟ کیا آج کل جو اسکولوں کی تعلیم ہے اور جو کتابیں اس میں پڑھائی جاتی ہیں کیا وہ سب مذہبی کتابیں ہیں؟ اور مذہبی تعلیم ہے؟ کیا غیر مذہبی چیزوں کی اور تصویروں کو بنانے کے لئے ڈرائنگ کی تعلیم بچوں کو مسجد سے نکال کر باہر میدان میں دی جائے گی؟

اصل مقصد اس حیلے سے مساجد اللہ کی آزادی کو ختم کرنا اور مذہبی آزادی وتعلیم کا گلا دبانا ہے، عنوان کتنا دل فریب ہے لیکن مقصد کتنا نفرت انگیز ہے، اللہ تعالے صحیح نیت اور صحیح



علم اور صالح عمل کی توفیق نصیب فرمائے (آمین) وصلى الله على صفوة الكائنات سيد السادات محمد وآله وصحبه وبارک وسلم.

(جمادی الثانیہ ۱۳۸۸ھ)

# نئی تعلیمی پالیسی

اسی مایوسی کے دور میں جس طرح جدید حکومت رحمت ثابت ہوئی اور خدا کرے یہ جب تک ہے رحمت بن کر ہی رہے، ٹھیک اسی طرح حکومت کی انتظامی کونسل کے ایک رکن کی طرف سے نئی تعلیمی پالیسی میں اسلامی تعلیمات کو اہمیت دینے کی خوشخبری سنائی گئی، پاکستان کی بائیس سالہ زندگی میں پہلی مرتبہ ایک ذمہ دار اور اونچے درجے کے افسر نے نہایت دل سوزی اور عرق ریزی کے ساتھ تعلیمی جائزہ پیش کیا جو ہر طرح تبریک وتحسین کا مستحق ہے، اور مزید قابل تبریک بات یہ ہے کہ اپنی رائے کو زبردستی قوم پر مسلط کرنے کی کوشش اور خواہش نہیں کی گئی بلکہ ۱۵ اگست ۱۹۶۹ء تک تمام ناظرین سے تجاویز وترامیم طلب کی گئی ہیں، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی (حالاً جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن) اور دارالعلوم کراچی کے ذمہ دار حضرات نے تقریباً بائیس گھنٹے اس تعلیمی جائزہ رپورٹ پر غور کیا اور نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ اس کے دور رس نتائج کو سمجھنے کی کوشش کی، اردو تراجم کے علاوہ انگریزی مسودہ کی بھی مراجعت کی گئی، پورے غور وخوض کے بعد کچھ تجاویز وترامیم پیش کی گئی ہیں، "بینات" کے اسی شمارے میں ان کا خلاصہ ناظرین کی نظر سے گذرے گا اور اس بحث وتمحیص کے سلسلہ میں کراچی یونیورسٹی اور باوانی کالج کے چند ماہرین تعلیم کی تجاویز بھی اسی شمارے میں ملاحظہ سے گذریں گی۔

مجھے اس وقت صرف اتنی بات عرض کرنی ہے کہ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی کے

نظام تعلیم کو اسلامی بنانے اور طلبہ کی اسلامی اخلاق کے مطابق تربیت کرنے کا ہر طرف سے خیر مقدم کیا جائے گا اور یہ دیرینہ آرزو پوری ہو جائیگی کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات اسلامی تعلیم وتربیت سے بہرہ ور ہونے کے بعد پاکستان کی قیادت کی صحیح ذمہ داری کا بار اٹھانے کے قابل ہو جائیں گے اور اس طرح یہ امکان پیدا ہو جائے گا کہ ایک عظیم الشان اسلامی مملکت کے خواب کی صحیح تعبیر سامنے آسکے، لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ قدیم دینی درس گاہوں کی ضرورت ختم ہو جائے گی، بلکہ قرآن وحدیث وتفسیر وفقہ واصول وغیرہ وغیرہ جو اسلامی ودینی علوم ہیں ان کی اہمیت وضرورت بدستور اپنی جگہ قائم رہے، یہ علوم انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت ہیں ان کا اپنا ایک خاص مزاج ہے ان کے لئے ایک خاص ماحول درکار ہے، اور انکی تعلیم وتربیت کا ایک خاص طرز ہے جو بظاہر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ماحول میں نہیں چل سکتا، نہ یہاں ٹھوس ماہرین پیدا ہو سکتے ہیں، ہاں اسکی ضرورت سے انکار نہیں کہ جدید علوم، ریاضی، سائنس، جغرافیہ اور اسلامی تاریخ کی شدید ضرورت ہے، مناسب ہے کہ دینی درسگاہوں کے نصاب میں اس کا جوڑ لگایا جائے، قدیم بطلیموسی ہیئت کی جگہ جدید فلسفہ پڑھایا جائے، اور قدیم علم کلام کے ساتھ جدید علم کلام بھی پڑھایا جائے تاکہ قدیم علوم کی افادیت میں ترقی ہو، نیز اس سے انکار نہیں کہ ابتدائی اسکولوں میں جس طرح قرآن کریم کی تعلیم واسلامیات کے مبادی کی تعلیم ضروری ہے اسی طرح دینی درسگاہوں میں حساب وجغرافیہ وغیرہ کا داخل کرنا بھی ضروری ہے، بے شک انسانی ضروریات زندگی کے لئے ان مبادی کا علم ہونا بے حد ضروری ہے مگر اسی طرح دین اسلام کے تحفظ کے لئے علوم اسلامیہ کا تحفظ بھی نہایت ہی ضروری ہے، نیز تقریر وتحریر کی جو کمی ہے اس کی طرف بھی متوجہ کرنا بے حد اہمیت رکھتا ہے بلا خوف "لومة لائم" یہ اظہار ناگزیر ہے کہ مسلمانوں کی نجات کا راستہ ایک ہی ہے اور وہ دین اور علوم نبوت کی حفاظت ہے۔



الغرض حکومتی سطح پر تو انتہائی ضروری ہے کہ نظام تعلیم میں دین ودنیا کی تفریق کو ختم کیا جائے اور ابتداء سے لے کر دس بارہ سالہ تعلیم تک اتنا دین ہر تعلیم یافتہ کو آجائے کہ وہ علی وجہ البصیرة سچا اور پکا مسلمان بن جائے آگے چل کر خصوصی مہارت پیدا کرنے کیلئے خصوصی شعبے بنے ہونے چاہئیں، بہرحال جو غفلت اور بے توجہی آج تک برتی گئی ہے خدا کرے جلد یہ صورت حال ختم ہو جائے، حکومت کو ان دینی مدارس کا ممنون ہونا چاہئے کہ اس سرزمین میں بوریہ نشینوں کی دینی درسگاہوں کا فیض اور مخلص علماء کی مساعی جمیلہ ہی کا نتیجہ ہے کہ اس ملک کے اندر قرآن وتفسیر حدیث فقہ واصول وغیرہ اسلامی علوم کی حفاظت ہو رہی ہے۔

## اگر "علماء" و "دینی مدارس" نہ ہوتے تو ملک میں اسلام کا نام ونشان بھی نہ ہوتا

اگر یہ علماء مدارس قائم نہ کرتے تو آج تک اس ملک میں اسلام کا نام ونشان تک مٹ گیا ہوتا، ولا فعل الله ذلک، اگر آج یہ علماء اسلام نہ ہوتے تو سوشلزم اور کمیونزم اور مارکسزم کے سیلاب کا کوئی روکنے والا نہ ہوتا، انہی علماء کی برکت سے دیندار مخیر ارباب ثروت نے دینی قلعوں کو محفوظ کرنے کی کوشش کی، اہل علم اور اہل خیر کے اس مبارک ربط وامتزاج نے وہ عظیم الشان کام سرانجام دیا جو کوئی دینی عظیم المرتبت مملکت ہی کر سکتی تھی اور اس طرح اس فرض کفائی کے بوجھ سے ارباب حکومت سبکدوش ہو گئے۔

## قدیم وجدید نصاب تعلیم کا امتزاج اور اسکی ناکامی

جامعہ اسلامیہ بہاولپور، اسلامی اوقاف کی برکت سے وجود میں آیا اور اب اس کی حیثیت قانون کی رو سے حکومت کی یونیورسٹی کی ہوگئی، مغربی پاکستان کا گورنر اس کا چانسلر

ہوگا اور اس کے گریجویٹوں کی حیثیت وہی ہوگی جو پشاور، لاہور و کراچی یونیورسٹیوں کی ہے
محکمہ اوقاف اور جامعہ اسلامیہ بہاولپور نے علماء کرام وجدید تعلیم یافتہ حضرات کے عملی تعاون
سے سترہ سالہ نیا نصاب تعلیم تیار کیا ہے جس میں بہ یک وقت علوم دینیہ وعلوم دنیویہ، عربی
اور انگریزی کا دوآبہ تجویز کیا ہے اور ایک مرتبہ پھر سابق ناکام تجارب کے باوجود جدید تجربہ
کیا جارہا ہے، مزید برآں کارکنان جامعہ کی یہ خواہش ہے کہ ملک کے دینی مدارس ومعاہد
ومراکز بھی ان کا نصاب اپنے ہاں جاری کریں یا ان سے الحاق کرائیں تاکہ جامعہ کی یہ ممتاز
جامعیت قوم میں مسلم ہوجائے، چند بوریہ نشینوں کی جدوجہد سے عربی دینی مدارس مغربی
پاکستان کا ایک فیڈریشن (وفاق) وجود میں آچکا ہے جس میں اس وقت ایک سو بہتر چھوٹے
بڑے مدارس شریک ہوچکے ہیں، اور جسکا آخری سالانہ امتحان بیک وقت مختلف مراکز میں
خصوصی ناظمین امتحان کی نگرانی میں ہوتا ہے، اور کامیاب طلبہ کو وفاق ہی کی طرف سے سند
دی جاتی ہے، ''وفاق المدارس'' کی مجلس عاملہ ومجلس شوریٰ کا اجلاس ۲۸، ۲۹، ۳۰ جمادی
الاولیٰ ۱۳۸۴ھ مطابق ۶، ۷، ۸، اکتوبر ۱۹۶۴ء ملتان میں منعقد ہوا، جس میں جامعہ اسلامیہ
بہاولپور کے نصاب تعلیم ونظام تعلیم پر بھی غور ہوا، اور باتفاق یہ طے ہوا کہ: اس صدی میں ا
س قسم کے جتنے تجربے ہوئے وہ سب ناکام ثابت ہوچکے ہیں، ''دارالعلوم ندوۃ العلماء،
لکھنؤ''، ''مدرسہ الٰہیات کانپور''، ''جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن''، ''جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی''،
''جامعہ عباسیہ بہاولپور''، ان سب چوٹی کی درسگاہوں میں یہ تجربہ ناکام ثابت ہوا ہے، کوئی
بھی جامع قسم کا فاضل ومحقق ان مراکز میں ان مخلوط نصابوں سے تیار نہ ہوسکا، الا ماشاء اللہ:

''آزمودہ را آزمودن خطا است''



اس لئے ارباب جامعہ کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ بجائے اس مخلوط تعلیم کے بہتر یہ ہوگا
کہ علوم عصریہ وانگریزی کیلئے ایک علیحدہ درسگاہ قائم کی جائے جس میں مستند عربی
درسگاہوں کے فارغ التحصیل حضرات کو علوم عصریہ کی تعلیم وتربیت دی جائے اور انگریزی
گریجویٹوں کے لئے ایک دینی درسگاہ قائم کی جائے جس میں علوم دینیہ کا چہار سالہ نصاب
تعلیم ترتیب دے کر علوم ضروریہ دینیہ کی تعلیم وتربیت دی جائے، اس طرح اس نقص کو دور کیا
جاسکے گا اور جن مضرتوں کا دونوں قسم کے نصابوں کے اجتماع سے پیدا ہونے کا یقین ہے وہ
ختم ہوجائیں گی، اور مقصد حاصل ہوجائے گا اور ملک وملت کی خدمت کے لئے اس طرح
صحیح افراد تیار ہوسکیں گے، وفاق المدارس اصلی مقصد سے بالکل متفق ہے کہ عصر حاضر میں
ایسے افراد کی ضرورت ہے جو دونوں قسم کے علوم کے جامع ہوں، لیکن طریقہ کار سے
اختلاف ہے، بڑے مدارس اس خدمت کے لئے تیار ہیں کہ وہ اپنی سرپرستی میں جدید علوم
عصریہ اور انگریزی زبان کی تعلیم کے لئے شعبے قائم کریں بشرطیکہ محکمہ اوقاف صحیح طریق پر
تعاون کرے، الغرض اس طریقہ پر جانبین میں جو بعد المشرقین حائل ہے وہ بھی دور
ہوجائیگا اور صحیح افراد کے تیار کرنے میں اس دینی مواخاۃ سے صحیح اور بہتر نتائج پیدا ہوسکیں گے
، وفاق المدارس کی تجویز حسب ذیل ہے:-

مجلس عاملہ وشوریٰ ''وفاق المدارس العربیہ'' جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے نصاب کے
بارے میں اس قطعی رائے کا اظہار ضروری سمجھتی ہے کہ علوم عربیہ دینیہ کے ساتھ ساتھ علوم
عصریہ اور انگریزی زبان کو بیک وقت جمع کرکے پڑھانا ایک طالب علم کے لئے قطعاً غیر
مفید ہے، عربی علوم دینیہ اور عصری علوم کے نصاب ہائے تعلیم میں سے ہر ایک نصاب
بجائے خود ایک مستقل نصاب تعلیم ہے، ہر ایک نصاب کو اس نظریہ کے سامنے رکھ کر مرتب
کیا گیا ہے کہ طالب علم اپنی عمر کا وہ عزیز حصہ جو تحصیل علم کے لئے عموماً مختص ہوتا ہے پورا کا

پورا انتہائی یکسوئی کیساتھ اس میں صرف کردے تاکہ وہ اس نصاب کی تکمیل کے بعد فاضل علوم دینیہ، عالم دین، یا فاضل علوم عصریہ (گریجویٹ) بننے کا اہل کماحقہ ثابت ہوسکے، اگر ان دونوں نصابوں میں قطع برید سے کام لے کر کوئی متوسط نصاب مرتب کیا گیا تو نہ وہ ضرورت کی حد عربی علوم ضروریہ کا حامل ہوگا اور نہ عصری علوم ضروریہ کا، اور اس نصاب کی تکمیل کے بعد اس کا فارغ التحصیل طالب علم فی الحقیقۃ نہ تو عالم دین کہلانے کا اہل ہوگا اور نہ اچھا گریجویٹ بن سکے گا۔

گذشتہ نصف صدی میں اس قسم کے متعدد تجربات ناکام ثابت ہوچکے ہیں، سب سے پہلے ''علامہ شبلی مرحوم'' نے ''ندوۃ العلماء لکھنؤ'' میں اس تجربہ کا آغاز کیا، اس کے بعد ''علامہ عبدالحمید فراہی'' نے ''مدرسہ الہیات'' کانپور میں اسی راہ کو اختیار کیا، ''جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن'' میں ''نظام دکن'' کی سرپرستی میں اسی مقصد کے حصول کے لئے قائم ہوا، علاوہ ازیں ''جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی'' جس کا سنگ بنیاد ''حضرت شیخ الہند قدس سرہ'' کے مقدس ہاتھوں سے رکھا گیا تھا اسی مقصد کے لئے قائم ہوا، خود ''جامعہ عباسیہ'' میں یہی تجربہ کیا گیا لیکن یہ تمام تجربے ناکام ثابت ہوئے اور ان درس گاہوں میں اس مخلوط نصاب تعلیم سے عموماً کسی ایک جانب کے بھی ''رجال کار'' پیدا نہ ہوسکے۔

بنابریں وفاق المدارس محکمہ اوقاف اور جامعہ اسلامیہ بہاولپور کو یہ ضروری مشورہ دینا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ وہ وفاق المدارس کے زیر سرپرستی مذکورہ ذیل دو قسم کی درسگاہیں قائم کرے:-

۱- وہ شعبہ جس میں علوم عصریہ اور انگریزی زبان کا ایک مختصر سہ سالہ نصاب پڑھایا جائے۔

۲- وہ شعبہ جس میں علوم دینیہ کا سہ سالہ مختصر نصاب پڑھایا جائے، آزاد عربی



درسگاہوں کے فارغ التحصیل طلبہ پہلی قسم کی درسگاہوں میں داخل ہوکر بقدر ضرورت عصری علوم حاصل کریں اور کالجوں کے فضلاء (گریجویٹ) دوسری قسم کی درس گاہوں میں داخل ہوکر بقدر ضرورت عربی اور دینی علوم سے بہرہ اندوز ہوں۔

وفاق المدارس کے اس اجلاس کی نظر میں اس طرح دونوں نصابوں کے فضلاء ملک وملت کی حقیقی ضرورت کی تکمیل اور بقاء واستحکام کا باعث بن سکیں گے، انشاء اللہ العزیز۔

والسلام

(کیم جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۴ء)

﴿بینات، جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ﴾

## ❁ مدارس عربیہ اور تعلیمی نصاب ❁
## ایک تنقیدی جائزہ

الحمد لله رب العالمين ، و أشهد أن لا إله إلا الله خالق السموات والارضين و أشهد أنّ سيّدنا و مولانا محمّدًا سيد المرسلين وخاتم النّبيين ، صلّى الله عليه وعلى آله و أصحابه و بارك و سلّم إلى يوم الدّين أمّا بعد !

اس پر فتن دور میں علم دین کے زوال کے لئے جتنا خطرہ پیدا ہو گیا ہے تاریخ اسلامی کے کسی دور میں اتنا خطرہ پیدا نہ ہوا ہوگا ، اور علمائے دین کے لئے جتنی مشکلات پیدا ہو گئی ہیں شاید ہی کسی دور میں ایسا ابتلاء پیش آیا ہو ، اور ایک ایسی خطرناک ہوا چلی کہ دلوں سے خود بخود اخلاص کی روح نکلتی جارہی ہے اور دینی و علمی فضائل کے حصول کا مقصد صرف دنیا ہی رہ گئی ، جدید تعلیم یافتہ طبقہ سے تو اس کا شکوہ ہی بے جا ہے کہ وہ خدمت دین کے لئے متوجہ نہ ہو سکے ، ان علوم کا مقصد ہی ذرائع معاش میں ترقی کرنا تھا لیکن قدیم علوم کے حاملین سے ضرور یہ شکوہ ہے کہ ان حضرات نے بھی علوم آخرت کا مقصد وسائل معاش سمجھ لیا ، یا راحت پسندی و عافیت کوشی کی وجہ سے قدرۃً صورت ایسی بنتی گئی ، لیکن اس صورت حال کی ذمہ داری تنہا ارباب دین پر نہیں بلکہ زیادہ تر ارباب مال و دولت پر ہے ، دین اسلام جو حق تعالے کا دنیا کے لئے آخری پیغام نجات تھا اور ہر قسم کی فلاح و بہبودی کا سرچشمہ تھا وہ سب کے لئے تھا اور اس کی حفاظت سب پر ہی فرض تھی اور تغافل کرنے والے سب ہی مجرم تھے اور جسکی طاقت جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی وہ مجرم ہوگا ، گذشتہ دوسو (۲۰۰) برس میں ہندوستان



کی غیر منقسم سرزمین پر علمائے کرام نے دین کی حفاظت کی ، دہلی ، لکھنؤ ، خیر آباد ، رام پور ، ٹونک ، گنگوہ ، سہارن پور ، تھانہ بھون ، دیو بند ، اور پشاور وغیرہ جو علمی مراکز تھے اور ان میں جو حیرت انگیز علمی گلستانوں کی آبیاری ہوئی ، اس سے کون انکار کر سکتا ہے ؟ بالخصوص ہندوستان کے سب سے بڑے علمی مرکز ”دارالعلوم دیوبند“ نے قرآن وسنت کی حفاظت کی جو محیر العقول خدمت انجام دی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ، ایک منصف غیر متعصب بالبصیرت مؤرخ کی نگاہ یقیناً یہ فیصلہ کرے گی کہ مغربی تہذیب اور یورپ کے سیلاب عظیم کے مقابلے میں صرف یہی ”دارالعلوم“ تھا جو کوہ ہمالیہ بن کر کھڑا رہا ، بلکہ اس چودھویں صدی ہجری میں اس سیلاب کا رخ پھیر دیا ، اور اکابر دیو بند کے اخلاص و تعلق مع اللہ اور علوم اسلامیہ دینیہ کی بے لوث خدمات نے وہ شان قائم کر دی جسکی مثال روئے زمین اس صدی میں نہیں ملے گی۔

بہر حال عوام کے مال و دولت کا وہ حصہ جو اللہ تعالے کا ہو چکا تھا اور جسکی قدر و قیمت اللہ تعالے کے یہاں سابق امتوں میں اتنی تھی کہ آسمان سے آگ اتار کر اس کو جلا دیا جاتا تھا ، لیکن اللہ تعالے کی رحمت کاملہ اور مشیت کا تقاضا یہ ہوا کہ امت محمدیہ میں یہ فقراء و مساکین و خادمان علم و مجاہدین فی سبیل اللہ کے کام آئے ، اس کو لے کر علمائے امت نے اپنی مفید تدبیروں اور بہترین نظام سے اس کو اس طرح پر خرچ کیا کہ مسلمانوں کی نسل کے لئے اس دنیا کی متاع حقیر سے آخرت کی متاع گراں مایہ کی حفاظت کا سامان کیا۔

﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ کا ایک ایسا کرشمہ ظاہر ہوا کہ جس کی برکات سے دنیائے اسلام میں عظیم الشان نور پھیل گیا ، اگر جدید تعلیم یافتہ حضرات نے ظلمات سے بجلی کا نور نکال کر ظاہری دنیا کو روشن کیا تو قدیم علوم کے حاملین کی مساعی جمیلہ کی برکت سے اس میل کچیل سے وہ نور ہدایت نکلا جس کی تابانی سے ساری دنیا

جگمگا گئی، قبریں منور ہو گئیں، پل صراط پر روشنی کا سامان ہو گیا، ارباب عقل وفہم وارباب انصاف پر یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ علمائے دین کے اس عظیم الشان احسان کو فراموش نہ کریں اور تا قیامت اس عظیم الشان احسان کے ممنون رہیں۔

لیکن کچھ عرصہ سے جہاں فتنوں کے ہجوم سے برکات ختم ہو رہی ہیں اس متاع گراں مایہ کی حفاظت کے خطرے بے حد پیدا ہو گئے ہیں، نہ عام مسلمانوں کو اپنی نسل کو بچانے کی فکر ہے نہ علماء میں وہ سابق روح باقی رہی کہ وہ اپنی کوششوں کو باقی رکھتے، بہر حال عوام وخواص، علماء وغیر علماء سب پر دین کی حفاظت کا جو فریضہ عاید ہوا تھا اس میں ہر جہت سے تقصیر پیدا ہو گئی، تقسیم ہند کے بعد یہ خطرہ بہت شدید ہو گیا اور حوادث ومصائب نے جدید نسل اور حساس مسلمانوں کے دلوں سے یہ جذبہ ہی ختم کر دیا کہ ان کو بھی کچھ کرنا ہے اور دین اسلامی کی حفاظت کی تدبیر بھی کرنی ہے، علم دین کے بڑے مراکز ہندوستان میں رہ گئے، مالدار مسلمانوں کا بڑا طبقہ پاکستان آگیا، جہاں علمی مراکز رہ گئے وہاں مسلمان کم رہ گئے اور جہاں مسلمان زیادہ پہنچے وہاں علمی مراکز موجود ہی نہیں، بہر حال جن حضرات کو اللہ تعالے نے توفیق عطا فرمائی وہ اس خطرے کو تاڑ گئے اور علم دین کے بقا کی تدبیروں میں لگ گئے اور چند مدارس وجود میں آگئے، لیکن ظاہر ہے کہ الحاد، بے دینی، دہریت کے فتنے ایٹم بم کی رفتار سے اپنی مسافت طے کر رہے ہیں اور ہمارے یہ مدارس چیونٹیوں کی طرح زمین پر رینگ رہے ہیں، دفاع ہو تو کیسے ہو؟ اور حفاظت ہو تو کیوں کر ہو؟

## علماء دین کی لازمی صفات

بہت غور وخوض کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ اس موجودہ پر فتن دور میں جب تک حاملین علم میں حسب ذیل صفات نہ ہوں وہ کبھی بھی حفاظت دین کی خدمت کے اہل نہیں بن سکتے، وہ صفات مندرجہ ذیل ہیں:-



۱-اخلاص۔

۲-صلاح وتقوی۔

۳- کامل علمی استعداد۔

۴-صبر واستقلال۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اخلاص نہ ہوگا تو اللہ تعالے کے یہاں سے قبولیت کی خلعت عطا نہ ہوگی جو برکت کا ذریعہ ہے، اگر تقوی نہ ہو تو عوام پر اس کا اثر نہ ہوگا، اور علمی استعداد نہ ہو تو مرض کا علاج نہ ہو سکے گا، اگر صبر واستقلال نہ ہوگا تو کامیابی نہیں ہو سکتی، مدت سے یہ آرزو تھی کہ اللہ تعالے ایسے اسباب وحالات میسر فرمائے کہ مخلصین وصالحین بلند قابلیت کے علماء جفاکش ومحنت کش حضرات کسی مناسب مقام پر جمع ہو کر اپنی زندگیاں وقف کرلیں اور ان ہی حضرات کی تربیت سے انہی صفات کے حامل عناصر پیدا ہوں، ان مقاصد کے پیش نظر انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں اس آرزو کی تکمیل کی کوشش شروع کر دی گئی، اور جامع مسجد نیوٹاؤن کراچی میں ماہ محرم الحرام ۱۳۷۵ھ مطابق اگست ۱۹۵۵ء اس کا آغاز کیا گیا، نہایت اختصار کے ساتھ ان تعلیمی چار سالوں کا نقشہ پیش کر رہے ہیں جو اسی روداد میں چند ضروری گذارشات کے بعد آئے گا۔

## علماء امّت کی خدمت بابرکت میں دردمندانہ گذارش

عرصہ دراز سے دینی حلقوں میں مسئلہ نصاب تعلیم زیر بحث ہے اور شدت سے یہ احساس ہو رہا ہے کہ موجودہ مدارس دینیہ عربیہ کا مروّجہ نصاب قابل ترمیم ہے اور مسائل حاضرہ کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے یہ نصاب کافی نہیں، امت کے مصالح اور وقت کے تقاضے اس سے پورے نہیں ہو سکتے بلکہ بہت سے ابنائے عصر اور جدید تعلیم

یافتہ قدیم نصاب کی افادیت ہی سے منکر ہیں، یہاں تک کہ بعض غیر سنجیدہ دماغ تو ان علمی درس گاہوں کے وجود کو بھی غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

جہاں تک اصل موضوع بحث کا تعلق ہے اس میں شک نہیں کہ وقت کی دوسری اہم ضرورتوں کی طرح یہ مسئلہ بھی اہم اور بے حد توجہ کا مستحق ہے، زمانہ بدل گیا، خیالات بدل گئے، قوموں کی نفسیات بھی تبدیل ہوگئیں، سائنس کی ترقیات نے معاشیات واقتصادیات کی نئی راہیں کھول دیں، فقہ اسلامی کے ابواب میں تمدن حاضر کے بہت سے جدید ابواب کا اضافہ ہوا، ممالک خارجہ سے تجارت درآمد و برآمد کے نئے وسائل اور بینکوں کے نظام نے اسلامی نقطہ نگاہ یا شرعی نظام کے راستے میں بہت سے پیچیدہ مسائل پیدا کر دیئے، نئے افکار وخیالات، جدید معتقدات اور مختلف علمی و دینی فتنوں نے جدید علم کلام کی اہمیت اور واضح کر دی، یہ سب خیالات درست اور بجا ہیں۔

## معجزاتِ انبیاء میں تبدیلی ممکن ہے تو نصابِ تعلیم میں تبدیلی کیوں ممکن نہیں؟

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حق تعالے جل ذکرہ نے بھی باوجود اپنی قدرت لامحدود اور علم محیط کے انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات میں وقت کے تقاضوں کی رعایت فرمائی، عہد ابراہیمی میں صائبین بابل و نینوے کی طبعیین کے لئے باعث حیرت و اعجاز ہو۔

موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں سحر و شعبدہ بازی اور اس قسم کے فنون کا عام چرچا تھا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یونانی اطباء اور انکے حیرت انگیز معالجات کا دور دورہ تھا، خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اگر سرزمین عرب میں فصاحت و بلاغت قوت بیانی، شعر و خطابت کا شہرہ تھا تو ایران میں خسروانہ کروفر اور ایرانی تہذیب کا دل ربا



منظر تھا اور رومۃ الکبریٰ میں بازنطینی نظام وآئین کارفرما تھا لیکن دنیا نے دیکھا اور بڑی حیرت سے دیکھا کہ ان طاغوتی طاقتوں کو رب العالمین کے بندوں کی معجزانہ کارفرمائیوں نے کیسی فاش شکست دے دی، اور رب العالمین نے کیسے فصیح و بلیغ معجزانہ اسلوب و بیان میں کیسا محیر العقول دستور اور مکارم اخلاق کا کیسا جامع ترین نظام حیات نازل فرمایا؟

اور پھر اسلام کی علمی تاریخ میں آپ دیکھیں کہ ہمارے صالحین نے ہر دور میں وقت کے تقاضوں اور امت کی مصلحتوں کا کیسے خیال کیا، بلاشبہ اب بھی اس کی تقلید کرنے کی ضرورت ہے اور صحیح ضرورت ہے، عصری علوم کی ضرورت اور معاشی واقتصادی و سیاسی مشکلات کی عقدہ کشائی کے سوال کی اہمیت بھی واضح ہے، لیکن تعلیم قرآن، درس حدیث اور علوم عربیہ وغیرہ قدیم علوم و معارف کی جتنی اہمیت اب ہونی چاہئے شاید ہی کسی دور میں یہ اہمیت سمجھی گئی ہو، کسی مفید اور نافع علاج کی اہمیت اسی وقت زیادہ محسوس ہونی چاہئے جب کہ مرض عام ہو اور ضرورت شدید ہو، ہماری انہی دینی درس گاہوں سے اسی صدی میں ایسے ایسے اکابر اور امت کے ایسے ایسے رہنما پیدا ہوئے کہ تاریخ بجا طور پر ان پر فخر کرے گی اور دنیائے اسلام کی علمی تاریخ میں ان حضرات کے اسماء گرامی بہت جلی حروف میں لکھے جائیں گے۔

## قدیم دینی نصاب پر ایک غلط فہمی کا ازالہ

قدیم نصاب پر ایک بہت بڑا اعتراض یہ ہے کہ یہ حضرات سارے علوم عربیہ پڑھ لینے کے بعد عربی گفتگو پر قادر نہیں ہوتے، کتنے علماء کے اسماء گرامی پیش کئے جاسکتے ہیں جو بلاتکلف فصیح ترین عربی لب ولہجہ میں گفتگو کی مقدرة رکھتے ہیں، دوسرے یہ کہ بولنا خاص ممارست و تمرین و مشق پر موقوف ہے، ہم نے ممالک اسلامیہ بلکہ خاص قاہرہ و مصر کے

بہت سے علماء کو دیکھا کہ فصیح وصحیح عربی پر ارتجالاً پوری قدرت نہیں رکھتے، بلکہ بعض بہترین لکھنے والے ادباء کو دیکھا کہ وہ بلا تکلف فصیح علمی زبان بولنے پر قادر نہیں جیسے وہ لکھتے ہیں بلکہ عام مروجہ عامیانہ زبان استعمال کرتے ہیں۔

تیسری چیز یہ کہ عربی علوم کو لسانیات کے طرز تعلیم پر نہیں پڑھایا جاتا بلکہ کتابیں علوم سکھانے کے لئے پڑھائی جاتی ہیں، اسی لئے ہمارے عربی نصاب کے ابتدائی درجات میں متعدد کتابیں صرف ونحو کی فارسی میں پڑھائی جاتی ہیں، الغرض یہ کہ علوم درجہ اولی میں رکھا گیا ہے اور لسانیات کو ثانوی درجہ بلکہ ضمنی درجہ دیا گیا، عربی بولنے لکھنے کو مقاصد میں شمار نہیں کیا گیا تھا، بہر حال یہ ایک نقطہ نگاہ کا فرق تھا، انگریزی تعلیم میں زبان کو پہلے درجہ پر رکھا گیا اور جو اسلوب تعلیم زبان کے لئے مناسب ہوسکتا تھا وہ اختیار کیا گیا اور پھر دنیا میں جو ترغیبی مسائل اس کے لئے تھے وہ اس پر مستزاد، بے شک اب وقت کے تقاضوں کے پیش نظر اس اسلوب کو بدلنے اور عربی زبان کی تعلیم کو مقاصد میں شامل کرکے پہلے درجہ پر رکھنے کی ضرورت ہے۔

## قدیم مروّجہ نصاب پر ناقدانہ نظر اور اسکی خصوصیت

اس سے پہلے کہ ان وجوہ تنقید کا ذکر کیا جائے جو مروجہ نصاب مدارس عربیہ پر ہوسکتے ہیں یہ گذارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اصل قصور نصاب کا نہیں بلکہ اسلوب تعلیم ومنہاج تدریس کا ہے، نصاب کیسا بھی ہو اگر طرز تعلیم وطریقہ تربیت کی اصلاح کی کوشش ہوتی تو یقیناً عام طور سے جو نقائص محسوس ہوتے ہیں، یہ نہ ہوتے۔

مروّجہ نصاب جس کو ''درس نظامی'' کہا جاتا ہے درحقیقت یہ تو چند صدیوں سے اصلاح وترمیم کے بعد کی ایک مکمل صورت ہے اس ملک کے مختلف ادوار میں کیا کیا نصاب



رہا؟ اس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں، اور زیادہ تر مقصد اس نصاب کا یہ تھا کہ اس کے پڑھنے سے سارے علوم نقلیہ وعقلیہ میں بحث ونظر اور تحقیق وتدقیق کے اعتبار سے صحیح رسوخ پیدا ہوجائے اور قوی استعداد وقابلیت میسر آئے، یہ کبھی مقصد نہیں رہا کہ یہ درس اور یہ نصاب ان علوم کی آخری معلومات اور تفصیلی ابحاث کے لئے بھی کافی ہے، لیکن اس میں شک نہیں اور بلا خوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس قدیم نصاب کا واقعی فاضل اور فارغ التحصیل ہر مشکل سے مشکل نظریہ اور جدید مسائل اور جدید علوم کو سمجھنے کی پوری قابلیت واہلیت رکھتا ہے، بطور مثال یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ قدیم ''بطلیموسی'' یا ''فیثا غورثی'' علم ھیئت سمجھنے والا آج بھی یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ محض مطالعہ سے جدید ہیئت وجدید فلسفہ وسائنس کو سمجھے اور صرف مطالعہ سے ان مشکلات سے عہدہ برآ ہو، کیا ''شرح چغمینی'' ''صدرا'' ''شمس بازغہ'' اور ''شرح اشارات'' سمجھنے والا یہ قابلیت نہیں رکھتا کہ جدید طبعیات وریاضیات کی جو کتابیں تصنیف ہوئی ہیں انہیں سمجھ سکے؟ یقیناً رکھتا ہے، کیا ''غزالی اور ''ابن رشد'' کی ''تهافة الفلاسفه'' کو سمجھنے والا ان جدید تالیفات کو نہیں سمجھے گا؟ یقیناً سمجھے گا، اگر قصور ہے تو مطالعہ کا ہے، اور نقص ہے تو توجہ نہ کرنے کا، بلکہ ان جدید کتابوں کا اسلوب اتنا شگفتہ اور بیان اتنا واضح ودلکش ہوتا ہے کہ اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی، ہم نے دیکھا کہ جب مصر سے ''الدروس الأوليه فى الفلسفة الطبيعية'' چھپ کر آئی تو ''حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمۃ اللہ تعالے علیہ'' نے اساتذہ دارالعلوم کو پڑھائی، تاکہ جدید طبعیات سے ابتدائی واقفیت ان حضرات کو بھی ہوجائے، اور ہم نے دیکھا کہ ''حضرت شاہ صاحب'' کو صرف مطالعہ ہی سے ان جدید علوم ریاضیات وطبعیات کی اتنی ہی معلومات تھے جتنی کسی فن کے ماہر ومتخصص ہی کو ہوسکتی ہے، ہاں! یہ ہوسکتا ہے کہ بعض نظریات یا تحقیقات جواب تک انگریزی یا جرمنی وغیرہ یورپ کی

زبانوں سے عربی میں منتقل نہیں ہوئے، ان کا علم بغیر ان زبانوں کے حصول کے نہ ہو سکے، لیکن اس میں قصور فن یا استعداد کا نہیں بلکہ زبان کا ہوگا۔

غرض یہ کہ جہاں تک قابلیت واستعداد کا تعلق ہے سابقہ نصاب سے زیادہ معیاری نصاب شاید ہی پیش کیا جا سکے، اگر صحیح طریقہ سے سمجھ کر ان علوم کو اور ان سارے فنون کو حاصل کیا جائے تو ایک غبی ذکی فاضل بن سکتا ہے، اور ذکی شخص ایک محقق روزگار بن سکتا ہے، اگر کسی کی تحصیل ہی ناقص ہے، جملہ علوم وفنون حاصل ہی نہ کئے ہوں تو نصاب کا کیا قصور؟

سوال تو یہ ہے کہ ان قدیمی علوم وفنون کو اور اس نصاب کو کسی نے باقاعدہ حاصل کیا اور صحیح معنی میں تکمیل کی تو یقیناً جو جامعیت، وقت نظر اور رسوخ فی العلم اسے حاصل ہوگا اسکی نظیر کہیں اور مشکل سے ملے گی۔

## مدارس عربیہ کے نصاب کی تجدید وترمیم کی ضرورت

بہر حال جو کچھ عرض کیا گیا اس کے صحیح ہونے کے باوجود عربی مدارس کے نصاب تعلیم کی تجدید وترمیم واصلاح کی ضرورت ہے، اس لئے نہیں کہ وہ اپنے زمانے میں کافی نہ تھا یا صحیح استعداد پیدا کرنے سے قاصر تھا، بلکہ مزید علوم جدیدہ یا معلومات عامہ حاصل کرنے کی ضرورت ہے، وقت کے تقاضوں بدل گئے، طبیعتوں کے سانچے بدل گئے، اذواق وافکار میں فرق آگیا، عبارتی دقت اور موشگافی کے لئے مزاجوں میں صلاحیت نہیں رہی، اب بہت اختصار کے ساتھ ان نکتوں کو پیش کرنا چاہتا ہوں جن کی وجہ سے یہ تبدیلی یا ترمیم ضروری ہے۔

مدارس دینیہ عربیہ میں اس وقت جو نصاب تعلیم رائج ہے، حدیث وفقہ کی چند کتابوں کو



مستثنیٰ کرنے کے بعد زیادہ تر ساتویں صدی ہجری اور اسکے بعد کے قرون کی یادگار ہے جہاں سے صحیح معنی میں علمی انحطاط شروع ہو چکا تھا، قدماء امت کی وہ تالیفات جن میں علم کی روح موجود تھی، عبارت سلیس وشگفتہ، مسائل وقواعد واضح، جن میں نہ عبارتی تعقیدات تھیں، نہ دور از کار ابحاث، جن کے پڑھنے سے صحیح معنی میں دل ودماغ متاثر ہو سکتے تھے، نہ وقت ضائع ہوتا تھا نہ دماغ پر بوجھ کا خطرہ ہوتا تھا، ان کی جگہ ایسی کتابیں تصنیف ہوئیں جن میں سب سے زیادہ کمال اختصار نویسی کو سمجھا گیا زیادہ زور لفظی بحثوں پر دیا گیا، لفظی موشگافیاں شروع ہوئیں، یوں اگر کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ "کاغذ تو کم خرچ کیا گیا لیکن وقت ودماغ کو اسکے حل پر زیادہ صرف کیا گیا"، بڑا کمال یہی سمجھا گیا کہ عبارت ایسی دقیق وغامض ہو جس کے لئے شروح وحاشیہ کی ضرورت ہو، کئی کئی توجیہات کے بغیر حل نہ ہو، آخر یہ علمی عیاشی نہیں تو اور کیا ہے؟ میرے ناقص خیال میں یہ علم کا سب سے بڑا فتنہ تھا جس سے علوم اور اسلامی معارف کو بڑا نقصان پہنچا۔

بطور مثال اسلامی علوم میں اصول فقہ کو لیجئے جو علوم دین اور علوم اجتہاد میں ایک لطیف ترین او اہم ترین فن ہے جو قرآن وسنت سے نئے نئے استنباطات کے لئے سب سے اہم راستہ تھا، جسکی باقاعدہ تدوین کا فخر دولت عباسیہ کے سب سے پہلے قاضی القضاۃ "امام ابو یوسفؒ" کو حاصل ہے اور امت میں اس کے بعد سب سے پہلی کتاب "امام محمد بن ادریس الشافعیؒ" کی کتاب "الرسالہ" ہے جو عرصہ ہوا کہ مصر میں "کتاب الام" کے ساتھ چھپ چکی تھی اور اب کچھ عرصہ ہوا بہت آب وتاب سے دوبارہ قاہرہ سے شائع ہوئی ہے، اسی فن میں "امام ابو بکر جصاص رازیؒ" (متوفی ۳۷۰ھ) نے "کتاب الفصول فی الاصول" لکھی جس کا ایک عمدہ نسخہ "دار الکتب المصریہ" قاہرہ میں موجود ہے اور جس کی نقل راقم الحروف کے توسط سے "مجلس علمی" ڈابھیل، حال کراچی کے لئے

ہندوستان و پاکستان آئی۔

''امام فخر الاسلام بزدوی'' نے ''کتاب الاصول'' لکھی جسکی عمدہ ترین شرح ''عبدالعزیز بخاری'' کی ہے جو ترکی کے سابق دار الخلافہ سے دو دفعہ شائع ہوئی، اور دوسری اسکی محیر العقول عظیم ترین شرح ''امیر الکاتب حمید الدین اتقانی'' کی ''الشامل'' ہے جو دس جلدوں میں ''دار الکتب المصریہ'' قاہرہ میں موجود ہے اور اس کا ایک نسخہ استنبول کے ''کتب خانہ فیض اللہ آفندی'' میں ہے، لیکن افسوس کہ دونوں جگہ ابتدائی دو ڈھائی جز کا نقص ہے، اسکی نقل بھی راقم الحروف کے توسط سے ''مجلس علمی'' میں آچکی ہے، ''امام شمس الائمہ السرخسی'' نے اپنی ''مبسوط'' کے مقدمہ کے طور پر ''کتاب الاصول'' لکھی جس کے نسخے ترکی و مصر میں موجود ہیں، یہ اور اس کے علاوہ اس فن میں متقدمین کی عمدہ و نافع کتابیں ہیں، ''امام حجۃ الاسلام غزالی'' کی ''المستصفی فی الاصول'' اس فن کی عمدہ کتاب ہے اور اس فن میں ''امام ابوزید دبوسی'' کی کتاب ''تقویم الادلۃ'' بے نظیر ہے۔

اب خیال فرمایئے کہ ایسی نادرہ روزگار کتابوں کی جگہ ''امام ابن الہمام'' کی ''اصول التحریر''، اور ''ابن حاجب'' کی ''مختصر الاصول'' اور ''بیضاوی'' کی ''منہاج الاصول'' یا ''ابوالبرکات نسفی'' کی ''منار الاصول'' یا ''صدر الشریعۃ'' کی ''تنقیح الاصول'' نے لی، اگر ''اصول التحریر'' کی شرح ''التقریر و التحبیر'' ''ابن امیر الحاج'' کی نہ ہو، یا ''التیسیر'' ''ابن امیر شاہ بخاری'' کی نہ ہو، اور ''قاضی بیضاوی'' کی ''منہاج'' پر ''شرح الاسنوی'' کی نہ ہو تو یہ چٹانیں امت کے کیا کام آسکتی ہیں؟ یہ مانا کہ ان میں کچھ دقیق ولطیف ان کے مختارات یا خصوصی ابحاث بھی ہیں، لیکن دوسری طرف یہ مبہمات جس تعبیر میں ادا ہوئی ہیں وہ کوئی علمی روح پیدا کرنے کے لئے مفید نہیں ہوسکتیں۔

اسی طرح صرف ونحو، معانی، بیان، منطق، فلسفہ، فقہ و تفسیر، ادب وغیرہ کا اگر جائزہ لیا



جائے تو سب کا حاصل یہی نکلے گا، مروجہ درسیات میں ایسی کتابیں داخل ہیں جن میں پوری داد تدقیق دی گئی، اور ایجاز و اختصار کا ریکارڈ قائم کیا گیا ہے۔

بے شک ذہن کی جلا، دقت نظر اور موشگافی کے کمال کو حاصل کرنے کیلئے یہ موزوں ترین ہوں تو ہوں، لیکن عہد حاضر میں ان کے جو نقائص محسوس ہوتے ہیں ان میں سے بطور مثال چند پیش کئے جاتے ہیں:-

۱- ان کتابوں میں زیادہ تر وقت لفظی مباحث اور عباراتی موشگافیوں پر خرچ ہوتا ہے۔

۲- فن کے قواعد اور مسائل یاد کرنے کی بجائے مصنف کے مقصد سمجھنے پر وقت ضائع ہوتا ہے۔

۳- فن کے قواعد اور مسائل یاد ہوجانے سے جو ایک اعلیٰ سلیقہ اور ملکہ پیدا ہوتا ہے اور جو ایک خاص قسم کی بصیرت حاصل ہونی چاہیئے ان مختصرات سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔

۴- صرف ان کا پڑھنے اور پڑھانے والا بہت مشکل سے اس فن کا محقق و بالبصیرت عالم بن سکتا ہے، مدرس کا سارا وقت اس لفظی اور عباراتی تعقیدات کی نذر ہوجاتا ہے اور اس میں نکتہ آفرینی کو کمال، اس کو اتنی فرصت ہی نہیں مل سکتی کہ اس فن کی امہات اور اساسی تصنیفات کا مطالعہ کرسکے۔

۵- مشکل پسندی کا ذوق ختم ہوچکا ہے صرف ونحو کے مسائل میں فقہ واصول کی عبارات میں ہیئت وریاضی کی مثالوں کے قائم کرنے کا دور گذر چکا ہے۔

۶- بہت سے دیندار حضرات کو ان علوم اسلامیہ کے حاصل کرنے کا شوق دامن گیر ہوتا ہے لیکن جب ان مشکلات کا احساس ہوتا ہے تو گھبرا کر مجبوراً اپنے ارادہ کو شرمندہ عمل نہیں کرسکتے۔

٧- جو شخص ذکی الطبع اور ذہین نہ ہو یا محنتی نہ ہو، وہ ان کتابوں سے مستفید نہیں ہوسکتا۔

٨- متن اور اس پر شرح اور پھر شرح کا حاشیہ (جیسے کہ کافیہ، شرح الجامی حاشیہ عبدالغفور) یہ اسلوب عصر حاضر کے ذوق کے بالکل خلاف ہے۔

٩- ان کتابوں میں اختصار کی وجہ سے فن کے بہت اہم مسائل اور جزئیات نہیں آسکے، اور جتنے آسکے اختصار کی وجہ سے اس کے اطراف و جواب اتنے واضح نہ ہوسکے۔

١٠- علم کلام جدید، فلسفۂ جدید، علم الاقتصاد، اور بعض جدید علوم سے قدیم نصاب کا دامن خالی ہے اور آج اس کی ضرورت محسوس ہورہی ہے، جس طرح پہلے جہمیہ، حشویہ، خوارج، معتزلہ وقدریہ صحیح مسلک سے ہٹے ہوئے اور...... باطل فرقے پیدا ہوئے تھے اور جس طرح ان کے عقائد اور ان کی تردید دین کا اہم جز تھا اسی طرح آج لادینی نظام حیات، اشتراکیت وفسطائیت وغیرہ کے مسائل پر قواعد اسلام کے پیش نظر نقد وتبصرہ دین کا اہم جز ہے۔

آج اگر ہمارے اسلاف زندہ ہوتے تو جس طرح اس وقت فرق باطلہ کی تحقیق وتنقیح کے بعد امت کے لئے اسلحہ تیار کرکے دے چکے تھے، اسی طرح آج بھی جدید اسلحہ دفاع کے لئے تیار کرتے اور علوم کا بیش بہا اضافہ کرتے۔

اس ضمن میں سرسری طور پر چند موٹی موٹی باتیں عرض کی گئی ہیں، اگر ہم ان اشارات کو اور اختصار سے پیش کرنا چاہیں تو اس کا خلاصہ دو چیزیں ہیں:-

(الف) قدیم علوم کی کتابوں میں اکثر مروجہ کتابوں کی تبدیلی۔

(ب) جدید علوم کا اضافہ۔

اگر غور کیا جائے تو ہمارے مدارس میں بیس بائیس علوم کی تقریباً سو کتابیں پڑھائی جاتی



ہیں جن پر کم از کم (اعدادیہ کے علاوہ) آٹھ سال کا عرصہ لگتا ہے، ان پر جہاں تک راقم الحروف نے غور کیا بمشکل دس کتابیں ایسی ہیں جن کا ہمیں بدل نہیں ملے گا، بقیہ سب کا نعم البدل قدماء ہی کی کتابوں میں مل سکتا ہے، ہم ان قدیم علوم کو ہٹانا نہیں چاہتے، بلکہ ان علوم میں صحیح مہارت وقابلیت پیدا کرنے کے لئے بہتر کتابوں کو داخل کرنا چاہتے ہیں، اور دور حاضر کے مفاد کے پیش نظر یہ خواہش رکھتے ہیں۔

اب میں جن نکتوں کے پیش نظر جن خطوط پر جدید نصاب کی بنیاد یا قدیم نصاب کی ترمیم کا خواہش مند ہوں ان کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔

## جدید نصاب تعلیم کی ضرورت اور اسکی خصوصیات

جدید نصاب تعلیم میں جو بنیادی خطوط ہیں میرے ناقص خیال میں اس کے تین نکتے ہیں:-

(الف) تخفیف : یعنی نصاب مختصر ہو جس کے حصول وفراغت میں بہت زیادہ عرصہ کی ضرورت نہ ہو۔

(ب) تیسیر : یعنی نصاب میں شامل مندرجہ کتابیں سہل وسلیس زبان میں ہوں، پیچیدہ ودقیق نہ ہوں۔

(ج) محو واثبات یا اصلاح وترمیم : یعنی بعض غیر اہم فنون کو ساقط کرکے جدید مفید علوم کا اضافہ کیا جائے۔

## ان نکات کی تشریح

### پہلے نکتہ (تخفیف) کی تشریح:

نصاب جتنا مختصر ہوگا اس کے طالبین وشائقین میں حصول کا جذبہ زیادہ پیدا ہوگا، یہ درست ہے کہ مختصر نصاب سے بعض اوقات ہر طبیعت پوری طرح مستفید نہ ہوسکے گی، لیکن

اسکی تلافی کے لئے اس مشترکہ عام نصاب کے بعد تخصص وتکمیل (ڈاکٹریٹ) کے درجات
مقرر کئے جائیں، جس کو جس فن سے زیادہ مناسبت ہو یا طبعی رجحان ہو اسکو وہ حاصل کر کے
فن کا ماہر خصوصی بن سکے گا، مصر کے جامع ازہر نے جدید نظام تعلیم میں انہی اصولوں کا
خیال کیا ہے، اور جامع ازہر کے جدید نظام تعلیم میں تین کلیات (کالج) ہیں:-

۱ - كلية اصول الدين .
۲ - كلية الشريعة .
۳ - كلية الآداب .

پھر ہر کلیہ میں کچھ درجات تخصص (ڈاکٹریٹ) کے رکھے ہیں۔
میرے خیال میں تخصص وتکمیل کیلئے حسب ذیل درجات ہونے چاہئیں:-

۱ - التخصص فی علوم القرآن و التفسیر .
۲ - التخصص فی علوم الحدیث .
۳ - التخصص فی الادب و التاریخ .
۴ - التخصص فی الفقه و اصول الفقه و القضاء و الافتاء .
۵ - التخصص فی علم التوحید و الفلسفةو المعقول .
۶ - التخصص فی علم المعیشة و الاقتصاد .
۷ - التخصص فی علم الاخلاق و التصوف .

## سہ سالہ مختصر نصاب:-

اس ضمن میں میری ایک خواہش یہ ہے کہ ہمارے مرکزی مدارس میں جہاں علمی
نصاب وعلمی تحقیقات کے لئے کوشش ہو اس کے ساتھ ایک ایسا مختصر نصاب ان حضرات کے
لئے مقرر کیا جائے جو انگریزی تعلیم سے بقدر ضرورت فراغت پا چکے ہیں، وہ مدرس عالم بننا



نہیں چاہتے بلکہ صرف اپنی دینی ضرورت کے پیش نظر قرآن وحدیث واسلامی علوم سے
واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس کے لئے زیادہ سے زیادہ ایک سہ سالہ نصاب مقرر کیا
جائے جس میں بقدر ضرورت صرف ونحو، قرآن وحدیث، فقہ وعقائد اور ادب وتاریخ تک
علوم شامل ہوں، ان کو پڑھ کر عربی زبان میں بولنے اور لکھنے کی قدرت کے ساتھ اپنی
ضرورت کو پورا کر سکے، اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے وقت کے اہم تقاضوں میں
سے ایک تقاضہ یہ بھی ہے اور بہت سے قلوب میں یہ تڑپ موجود ہے جہاں اس کا یہ فائدہ
ہوگا کہ ایک انگریزی گریجویٹ عالم دین بن سکے، اس کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہوگا کہ دینی
ودنیوی تعلیم میں جو خلیج حائل ہے اور فریقین ایک دوسرے سے مسلک وخیال میں دو نقطوں
پر الگ الگ ہیں ان میں اجتماع کی خوشگوار صورت پیدا ہوگی اور ایک دوسرے سے قریب تر
ہو جائیں گے، اور خیالی ووہمی بدگمانیوں میں جو ہر فریق مبتلا ہے یا اختلاف بھی ختم ہو جائے
گا، اس لئے اب ہمیں تین نصابوں کی ضرورت ہوگی۔

۱-ایک مدرس عالم کا نصاب۔
۲-دوسرا ماہر خصوصی کے لئے نصاب۔
۳-تیسرا صرف دینی ضرورت کے لئے عالم بننے کا نصاب۔

## دوسرے نکتہ (تیسیر) کی تشریح:-

دوسرا نکتہ تیسیر کا تھا، اس کے متعلق گذارش یہ ہے کہ ہر زمانے کا ایک خاص مزاج اور
خاص ذوق ہوتا ہے جب علم کی صحیح ترقی ختم ہوگئی یا رک گئی، یا یوں کہئے کہ معراج کمال تک
ان علوم اسلامیہ اور مبادی علوم کا معیار جب بلند ہوا تو طبعی طور پر انحطاط لازمی تھا، اب سارا
زور وکمال تالیف کا معیار قواعد کی تلخیص، مسائل کی تنقیح، عبارت آرائی، متن نویسی وایجاز
طرازی، اختصار کے لئے نئے اسلوب، لفظی موشگافی وغیرہ قرار پایا، علمی مسابقت کا میدان

یہی بن گیا، منظوم قواعد تیار ہونے لگے، مبادی ووسائل مقاصد بن گئے، علوم عربیت کا مقصد قرآن وحدیث کے لغوی، ترکیبی اور اعرابی مشکلات کا حل کرنا تھا، لیکن آگے چل کر یہ مبادی خود مقاصد بن گئے، قرآن وحدیث کی تراکیب اپنی جگہ رہیں خود ان کتابوں کے مسائل وعبارات مرکز توجہ بن گئے۔

ابن حاجبؒ کی کافیہ کو لیجئے جس کی پچاس سے زیادہ (تقریباً ایک سو دس) شرحیں لکھی گئیں، پھر "شرح ملا جامیؒ" جو ان شروح میں سے ایک شرح ہے، اس کے حواشی اور شروح کے لئے ایک دفتر چاہئے، اس پر اس کے "حاشیہ شرح عبدالغفور" کو لیجئے، پھر اس کا تکملہ "عبدالحکیم سیالکوٹیؒ" اور ان دونوں کی شرح "دافع التوہمات" کو دیکھئے، اسی طرح "ابن مالک کی الفیہ" اس کی شرح (شرح ابن عقیل) اور ان شروح میں سے "شرح اشمونی" اور پھر اس کی "شرح صبان" چار ضخیم مجلدات میں دیکھئے کہ ساری عمر انہی کے مطالعہ کی نذر ہو جائے، آخر غور کیا جائے کیا یہ مبادی واقعی اتنی توجہ کے مستحق تھے۔

بہر حال جو کچھ ہوا ایک خاص دور کا تقاضا تھا اور ذوق طلب تھا جو پورا ہو گیا، اس طرح بقیہ علوم وبقیہ کتب کی حالت کو قیاس کر لیجئے، اب نہ تو طبائع میں وہ جولانی رہی اور نہ جفاکشی، اور نہ ہی محنت وعرق ریزی کی صلاحیت دماغوں میں رہی، اور نہ وہ فرصت وطمانیت رہی، اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کی حاجت بھی نہ رہی، مشکل پسندی سے فکر اکتانے لگی، جدید کتابیں لکھی گئیں۔ ادب وانشاء کا طرز واسلوب بدل گیا، قدماء کی کتابیں پریس میں آنے لگیں اہل عصر نے ہمت کر کے ذوق عصری کی تشنگی کے لئے جدید سانچوں میں ضیافت طبع کی خاطر عمدہ تصنیفات پیش کیں، اس ماحول میں اگر ہم اب بھی ان غیر اہم وسائل پر جمے رہیں گے تو علوم اسلامیہ سے توجہات ہٹ جائیں گی، اور ہمارا یہ طرز عمل ہمارے اکابر وسلف کی اس "تراث فاخرہ" اور اس علمی ثروت وسرمایہ کو فنا کے گھاٹ



اتار دے گا، یہ درحقیقت علم کی خیر خواہی نہیں بلکہ نادان دوست کا سا طرز عمل ہوگا، کیا فقہ اسلامی میں "کنز الدقائق"، "وقایہ"، "شرح نقایہ"، اور "شرح وقایہ" کے بہترین بدل اسلاف کی کتابوں میں موجود نہیں؟ کیا "جامع صغیر"، "جامع کبیر" وغیرہ براہ راست مدون فقہ امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کی کتابیں ہر حیثیت سے جامع نہیں ہیں؟ ان میں جو علم اور برکت ہوگی وہ ان متاخرین کی کتابوں میں کہاں سے ملے گی؟ میرے ناقص خیال میں کتب فقہ میں "نور الایضاح"، "مختصر القدوری" اور "ہدایہ" کے علاوہ بقیہ سب قابل تبدیل ہیں۔

دیکھئے فلسفہ، منطق اور کلام کو لیجئے، امام حجۃ الاسلام غزالیؒ کے چند رسائل "محک النظر"، "معیار العلم"، "مقاصد الفلاسفۃ"، "الاقتصاد فی الاعتقاد"، وغیرہ وغیرہ کے پڑھنے سے وہ مہارت پیدا ہو سکتی ہے جو بمشکل ان بڑی دقیق وطویل کتابوں سے حاصل ہوگی، غزالیؒ کی حسن تعبیر، تفہیم اور حل مشکلات کی فوق العادۃ مقدرت کا کیا دنیا کے مسلمات میں شمار نہیں؟ یہ ہو سکتا ہے کہ بعض مسائل فن کے غیر مذکور ہوں اور بعض غیر منقح ہوں، لیکن جتنے مذکور ہیں ان سے جتنی مہارت ومناسبت انشراح صدر واطمینان قلب حاصل ہو سکتا ہے، متاخرین کی اکثر کتابوں میں وہ روح کبھی نہیں مل سکتی، امام رازیؒ جو منطق وفلسفہ کے سب سے بڑے امام ہیں، ان کی کتابیں نہایت سلیس شگفتہ عبارت میں امت کی جو راہنمائی وعقدہ کشائی کر سکتی ہیں وہ متاخرین کی کتابیں نہیں کر سکتیں، امام رازیؒ کے "لباب الاشارات"، "المحصل والاربعین" کو دیکھئے، مصنف کو دل سے دعا دیجئے، کیا مشکلات کو مشکل تر بنانا یہ کمال ہے، یا مشکلات کو آسان بنا کر امت کے سامنے پیش کرنا کمال ہے؟ یہ صرف چند مثالیں ناظرین کی خدمت میں پیش کی گئی ہیں، بہر حال تیسیر کو اختیار کرنا نہ صرف وقت کا اہم تقاضا اور امت حاضرہ کی اہم ضرورت ہے بلکہ علوم اسلامیہ کی صحیح خدمت

ہے اور علوم سے پہلے دین اسلام کی خدمت ہے۔

فرض کیجئے کہ ہم نے کاغذ بچا کر ایک صفحہ میں اپنے اختصار کے ساتھ کسی مضمون کو ادا کیا جس کی تفصیل چند ورق میں ہو سکتی ہے لیکن اس کے پڑھانے کے لئے مدرس کو ایک گھنٹہ کا وقت دینا پڑا، اور کافی تمہید وتشریح کے بعد وہ بمشکل حل ہوا، لیکن جہاں تشریح دماغ سے غائب ہوئی، مضمون بدستور چیستان رہا، اگر اسکے بجائے وہ مضمون دو صفحات میں ادا کیا جاتا اور سرسری نظر میں ذہن نشین ہو جاتا تو بتایئے کونسا طریقہ بہتر ہوتا؟ غور فرمائیں بلاشبہ کاغذ، روشنائی تو زیادہ خرچ ہوئی لیکن وقت اور دماغ کم خرچ ہوا گویا ہم نے اختصارات وایجازات سے کاغذ پر تو رحم کیا لیکن دماغ جیسے لطیف جوہر اور وقت جیسے گرانمایہ سرمایہ کو بے رحمی سے خرچ کیا، کیا غزالیؒ ورازیؒ، تقی الدین ابن دقیق العیدؒ، عز الدین ابن عبد السلام ابن تیمیہؒ، ابن القیمؒ جیسے افراد روزگار محققین ان چیستانوں کی بدولت اذکیائے امت میں شمار ہوئے ہیں؟ کیا ان بزرگوں کی کتابوں میں ان متاخرین یا قرون وسطی کی مشکل پسند طرز تعبیر کا کہیں پتہ ملتا ہے؟

داستان طویل اور دردناک ہے، حاصل وہی ہے جو گذشتہ سطور میں پیش کیا گیا۔

## تیسرے نکتہ (تغیر وتبدل) کی تشریح:۔

تیسرا نکتہ جس کا ذکر کیا گیا وہ محو واثبات یا اصلاح وترمیم ہے، میری مراد اس سے یہ نہیں کہ یہ سارا دفتر پارینہ غرق مئے ناب کر دینے کے لائق ہے، ہرگز نہیں، بلکہ یہ علوم امت محمدیہ کا سب سے بڑا سرمایہ حیات ہے، اسکی حفاظت اس کی تربیت ابنائے امت کا سب سے بڑا فرض ہے مسلمانوں کے دین اور ان کے تمدن کی بقا کے لئے ان علوم کا بقاء ایسا ہی ضروری ہے جیسے حیات وبدن کے لئے روح انسانی کا وجود بلکہ اس دور الحاد ودہریت میں ان کا تحفظ، انکی نشر واشاعت کی ضرورت سابق سے کہیں زیادہ اہمیت حاصل کر چکی ہے،



لیکن اس واقعی حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے کہ اس پرفتن وپرآشوب عہد میں نجات کی راہ، فلاح وترقی کا صحیح میدان بھی علوم اسلامیہ ہیں، یا یہی دین اسلام ہے، اس کے ثبوت کے لئے ہمیں کچھ اصلاح وتبدیلی کی ضرورت پیش آئے گی، گذشتہ چند صدیوں سے جو علمی نظام یا علمی نصاب رائج ہو گیا ہے وہ امت کی موجودہ سمیت کے لئے تریاق نہیں بن سکتا، جو امراض پیدا ہو چکے ہیں انکی شفایابی کے لئے یہ کافی نہیں ہے۔

گذشتہ رائج نصاب تعلیم میں قرآن مجید، علوم حدیث، تاریخ اسلامی، سیرت نبویہ، ادب وعلوم بلاغت کو وہ اہمیت حاصل نہیں تھی جو بقیہ علوم وفنون کو حاصل تھی، نصاب تعلیم میں اولیت واہمیت کا درجہ ان علوم کا حاصل ہونا چاہئے تھا بقیہ علوم کو ثانوی درجہ میں رکھنا چاہئے، عربی زبان میں گفتگو، خطابت انشاء ان کو بھی اہمیت نہیں دی گئی، لیکن اب وقت کا اہم تقاضا ہے کہ ان امور کو سب سے پہلا درجہ نصاب میں حاصل ہونا چاہئے۔

## لسانیات کی ضرورت اور جدید ادبی اسلوب کا ماٰخذ

لسانیات ہی کے طرز تعلیم پر عربی ادب کی تعلیم وتربیت ہونی ضروری ہے، جدید ادبی اسلوب جس میں فرانسیسی ادب کے اسلوب سے استفادہ کیا گیا ہے اس میں غضب کی جاذبیت ہے، جاحظ، ابن المقفع اور عہد مامون کے ادبی اسلوب کا ذخیرہ امت کے سامنے موجود ہے، بلکہ احادیث نبویہ کا اسلوب بیان اور فصحاء صحابہ کا طرز بیان خطباء عرب کا قدیمی اسلوب بہت ہی متقارب ہے۔

تیسری چوتھی صدی تک تقریبا یہی اسلوب بیان تھا، بعد میں بدیع الزمان ہمدانی کے مقاماتی ادب وانشاء نے پھر "حریری" کی پرتکلف سجع بندی نے اس ادب کا خاتمہ کر دیا، لیکن پھر بھی قرون متوسط میں جستہ جستہ ادباء کا یہی طرز رہا، غرض یہ کہ الادب الجدید قدیم ترین

اسلوب سے بہت اقرب واشبہ ہے اور اسی میں مہارت وقابلیت وامتیاز پیدا کرنے سے قرآن وحدیث کی زبان کی شیرینی محسوس ہوسکتی ہے، اگر ہمارے نصاب تعلیم میں ''جاحظ'' ''اور''ابن قتیبہ'' ''و''ابن المقفع'' '' کی کتابیں نہ سہی کم از کم الشریف الرضی کی ''نہج البلاغۃ'' ہوتی جب بھی ادبی ذوق میں اتنا انحطاط نہ ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ قدیم علوم کی بہت سی کتابیں میں تبدیلی کی ضرورت ہے اور بجائے متاخرین کے قدماء کی کتابوں اور مصنفات میں بہترین بدل موجود ہے، منطق، فلسفہ، قدیم کلام اور قدیم ہیئت میں بہت سرسری معلومات بھی کفایت کرسکیں گی، تنقیح کے ساتھ قواعد ومصطلحات کا علم کافی ہوگا اور ان کی جگہ تکمیل کے لئے جدید علم کلام اور جدید علم ہیئت وریاضی اور اقتصادیات کو رکھنا چاہیئے، اس نصف صدی میں ان علوم کا کافی ذخیرہ عربی میں آچکا ہے لیکن بہت سے گوشے ابھی تک تشنہ تکمیل ہیں تاہم جتنا ذخیرہ عربی میں مدون ہو چکا ہے اس سے مستفید ہونا چاہیئے بعض عمدہ کتابیں اردو میں ملیں گی ان کو داخل نصاب کیا جائے اس وقت اس موضوع کی تفصیل مقصود نہیں صرف اصولی بحث ملحوظ ہے، جس وقت نصاب کی تعیین کا مسئلہ پیش نظر ہوگا اس وقت مزید تبصرہ کی ضرورت ہوگی تاکہ نصاب جدید میں فیصلہ کن اقدام ہوسکے، یہ چند منتشرات پراگندہ تصورات تھے جو ناظرین کی خدمت میں ''جهد المقل دموعه'' پیش کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں۔

ہم مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی (موجودہ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی) میں انہی اصول کے پیش نظر انہی خطوط پر نصاب کی بنیاد چاہتے ہیں اور الحمدللہ کچھ جزئی ترمیم واصلاح کا قدم بھی اٹھایا جاچکا ہے جس کی تفصیل کی شاید اس وقت حاجت نہ ہوگی، اس نصاب تعلیم کے ساتھ ایک جدید نظام تعلیم کی بھی ضرورت ہے قدیم نصاب تعلیم پر اصرار کے بہت سے وجوہ اسباب تھے اور کچھ موانع ومشکلات بھی ہیں، اس وقت اس کو



زیر بحث لانا غیر ضروری سمجھا گیا، اب اسکی بہت شدید ضرورت ہے کہ مفکر علماء امت اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے جلد کسی مرکز پر جمع ہوجائیں اور متفقہ نصاب تعلیم جلد ملک وملت کی درس گاہوں میں رائج کیا جائے اور کل پاکستان کا علمی نظام اور علمی نصاب تعلیم ایک ہی سلسلہ میں منسلک ہو اور اس سلسلہ کے تحزب وتفرق، خلاف واختلاف کو جلد ختم کیا جائے اور دینی علوم کی خدمت کے لئے متفقہ آواز اٹھائی جائے۔

﴿إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ، وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾

## مدارس عربیہ دینیہ کا نظام تعلیم

مدارس عربیہ کا نصاب تعلیم جس طرح محتاج اصلاح ہے جس کا اجمالی خاکہ گذشتہ صفحات میں عرض کیا گیا اس سے کہیں زیادہ نظام تعلیم کی اصلاح کی حاجت ہے، نظام تعلیم سے میری مراد ایک وسیع مفہوم ہے جس میں طلبہ کی تربیت ونگرانی، طلبہ کا علمی معیار، طلبہ کا اخلاقی معیار، تدریس کا طریقہ، (کن کن مضامین پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت) طلبہ کی ذہنی تربیت کے لئے کیا کیا ذرائع اختیار کئے جائیں؟ طلبہ میں علمی استعداد پیدا کرنے کے لئے ترغیب وترہیب کے کیا کیا وسائل ہونے چاہئیں؟ غرض صلاح وتقوی، علمی معیاری قابلیت، اخلاص وعمل کی روح پیدا کرنے کے لئے کن کن تدابیر کو کام میں لایا جائے؟ جب تک طلبہ کے قلوب میں امراض نہیں تھے، دماغوں میں جدوجہد کا جذبہ موجود تھا، طبیعتیں علمی مسابقت سے سرشار تھیں، اساتذہ میں اخلاص وتعلق مع اللہ کی روح جلوہ گر تھی اور تعلیم وتعلم دونوں کا مقصد خدمت علم وخدمت دین تھا یا کم از کم حصول علم میں تو ان تدابیر کی حاجت نہیں تھی، لیکن نقطہ خیال بدل گیا تعلیم کا مقصد حصول سند ہے یا حصول ملازمت، اساتذہ

میں وہ روح نہ رہی، ان کا مقصد مشاہرہ کا حصول یا مہتمم کو خوش کرنا یا پھر طلبہ سے خراج تحسین کی سند حاصل کرنا، جب یہ امراض پیدا ہو گئے تو اب ضرورت ہے کہ انتہائی دلسوزی اور جانفشانی کے ساتھ اس کے علاج کی طرف توجہ کرنی چاہیئے، سابق الذکر امور میں سے ہر ایک کافی تفصیل طلب ہے لیکن نظام تعلیم کی اصلاح کے لئے یہاں چند اہم ترین امور کی اصلاحی تدابیر کا اجمالی خاکہ پیش کرنا ہے۔

## تدریس کا طریقہ

۱- مدرسین حضرات کا طریقہ تدریس یہ ہونا چاہیئے کہ:

۱)..... کتاب کے مشکلات کو سادے الفاظ میں اور اختصار کے ساتھ حل کرنے کی کوشش۔

۲)..... تعبیر کے لئے عمدہ دل نشین واضح طریقہ اختیار کریں۔

۳)..... کتاب کے حل کرنے میں قطعاً تسامح سے کام نہ لیا جائے۔

۴)..... حل کتاب کے بعد فن کی مہمات پر طلبہ کو متوجہ کیا جائے۔

۵)..... جس مشکل کی شرح کسی نے عمدہ کی ہے ان کا حوالہ دیا جائے اور طلبہ کو ان مآخذ سے روشناس کرایا جائے تاکہ مستعد وذہین طلبہ اپنی معلومات کو آگے بڑھا سکیں۔

۶)..... فضول وبیکار مباحث میں طویل طویل تقریر کر کے طلباء سے داد تحقیق حاصل کرنا یہ تدریس کا سب سے بڑا فتنہ ہے اس کو ختم کرنا چاہیئے۔

۲- کتابوں کے اختتام، اور اول سے آخر تک تعلیم میں تطابق (یکسانیت ہو)، جو کتابیں ایسی ہیں جن کا ختم کرنا ضروری ہے پوری توجہ کرنی چاہیئے کہ کتاب ختم ہو جائے، کوئی بحث رہ نہ جائے، جب تک کتاب ختم نہ ہو اس کا امتحان نہ لیا جائے، بلکہ تا اختتام



کتاب سالانہ امتحان مؤخر کیا جائے، اور اس شکل پر قابو پانے کے لئے کتابوں کو تین حصوں پر تقسیم کرنا چاہیئے کہ سہ ماہی ششماہی سالانہ امتحان تک کہاں سے کہاں تک کتاب پہنچ جانا چاہیئے، اس کا شدت سے انتظام کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ ابتداء میں ماہ دو ماہ بڑی بڑی تقریریں ہوں اور آخر میں صرف ورق گردانی (جیسا کہ ہدایہ، مشکوۃ، اور درجہ ثامنہ کی کتابوں کے ساتھ کیا جاتا ہے) جس نے علم کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دیں۔

۳- جو اساتذہ جن کتابوں کے لئے زیادہ موزوں ہوں علمی استعداد اور طبعی رجحانات کے اعتبار سے تقسیم اسباق میں اس کا خیال ضرور رکھا جائے۔

۴- ابتدائی دو سال کی تعلیم میں نتائج امتحانات میں نہایت سختی کی جائے، ناکام کو قطعاً کسی مراعات کی بنا پر کامیاب نہ بنایا جائے، وسط اور انتہائی تعلیم میں معقول اعذار کی بنا پر تسامح قابل برداشت ہے لیکن ابتدائی تعلیم میں ہرگز ایسا نہ کیا جائے۔

۵- ابتدائی تعلیم اچھے اور تجربہ کار اساتذہ کے حوالہ کرنی چاہیئے جو مسائل کو عمدہ اور مفید ترین طریقے پر ذہن نشین کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں، الغرض ابتدائی تعلیم کی عمدگی و پختگی پر بے انتہا توجہ کی ضرورت ہے، اگر اعلی تعلیم کے اساتذہ کو ابتدائی درجہ کا کوئی سبق بھی دیا جائے تو اس میں بہت فوائد ومصالح ہیں۔

۶- مدرسین کو اسباق اتنے دیئے جائیں تاکہ وہ مطالعہ وتدریس کی ذمہ داری پر صحیح طریقے سے عہدہ برآ ہو سکیں، جس کا اجمالاً اندازہ یہ لگایا جاسکتا ہے کہ ابتدائی درجہ کے اساتذہ کے پاس زیادہ سے زیادہ پانچ گھنٹے تعلیم کے لئے ہوں، متوسط درجات کے لئے چار گھنٹے اور آخری درجات کے لئے تین گھنٹے۔

۷- اساتذہ ایسے رکھے جائیں جو ہمہ تن مدرسہ سے وابستہ ہوں، ایسا نہ ہو کہ صرف دو تین گھنٹے کا رسمی تعلق ہو یا کہیں اور ملازم ہوں، مدرسہ کے مصالح کے پیش نظر یہ صورت بہت

اہم وقابل توجہ ہے۔

۸- اساتذہ کے انتخاب میں حسب ذیل معیار انتخاب ہوں:

اخلاص ،تقویٰ وصلاح واعلیٰ قابلیت اور اس فن سے مناسبت جو اس کو حوالہ ہوں، مدرسہ کے نظام سے وابستگی اور طلبہ کے تعلیمی واخلاقی معیار کو بلند کرنے کا جذبہ، تدریس سے شوق یہ سب باتیں بہت اہم ہیں، ان میں سے کسی ایک بات کی بھی کمی ہو تو صحیح کام نہ ہو سکے گا۔

۹- اساتذہ کو فن کی اعلیٰ کتابوں کی طرف مراجعت کرنی چاہیئے تاکہ عمدہ معلومات طلبہ کے لئے فراہم کرسکیں ، الغرض مطالعہ وجد وجہد ضروری ہے تن آسانی وراحت کوشی سے صرف سابقہ معلومات پر اکتفانہ کرنا چاہیئے ،طلبہ کے اندر اعلیٰ علمی معیار پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ اساتذہ اس معیار کے ہوں۔

۱۰- جہاں تک مقدرت ہو طلبہ کو راحت وآسائش پہنچائی جائے اور طلبہ اتنے رکھے جائیں جن کی عمدہ خدمت ہو سکے، لیکن اس کے ساتھ ان کی علمی نگرانی ، درس میں حاضری، رات کا مطالعہ، امتحان میں سختی ، ان سب باتوں میں کوئی رعایت یا مساہلت اختیار نہ کی جائے ، با قاعدہ طلبہ کے احوال کا تفقد رکھا جائے اور اس کے لئے انتظام ہو، اگر کوئی طالب علم سہ ماہی میں ناکام ہو تو اس کا کھانا بند کردیا جائے ،اور اگر شش ماہی میں بھی ناکام ہو تو آخر سال تک مزید موقع دیا جائے ، اگر سالانہ امتحان میں بھی نتیجہ ساقط رہا تو اس کو علیحدہ کردیا جائے، ان امور میں تسامح ومراعات کرنا علم کو دفن کرنے کے مترادف ہے۔

۱۱- ابتدائی درجہ عربی کے طلباء کا ماہانہ امتحان لازمی قرار دیا جائے ، مقدار خواندگی متعین کی جائے کوشش ہو کہ اس حد تک کتاب پہنچ جایا کرے۔

۱۲- ہر درجہ کے مناسب مطالعہ کے لئے کوئی نہ کوئی کتاب منتخب کر کے متعلم کو دی



جائے اس کتاب کا امتحان سالانہ لازمی قرار دیا جائے۔

۱۳- طلبا کی اخلاقی نگرانی ، عادات کی اصلاح ، دینی وضع کی پابندی بے حد ضروری ہے، باجماعت نماز کی پابندی سیرت وصورت کی تربیت واصلاح کی طرف پوری توجہ ہونی چاہیئے ، ان امور میں تسامح سم قاتل ہے، غیر ذکی طالب علم اگر محنتی ہو وہ صالح ہو اس کو برداشت کیا جاسکتا ہے لیکن ذکی بدشوق وبداطوار ہرگز رعایت کے مستحق نہیں۔

۱۴- مدرسہ کے ضوابط ایسے ہوں کہ طلباء خود بخود دینی وضع ، صالحین کے شعار، لباس، پوشاک، خورد ونوش ومعاشرت وعبادت میں پابند ہو جائیں۔

۱۵- امتحانات میں مسابقت وتقدم کے لئے ترغیبی وظائف رکھے جائیں، سالانہ امتحان میں اعلیٰ کامیابی پر انعامات مقرر کیے جائیں، انعامات میں بجائے نقد رقوم کے عمدہ عمدہ کتابیں دی جائیں، اگر انعامی کتب میں انکی علمی استعداد وطبعی خصوصیت کی رعایت رکھی جائے تو اور سونے پر سہاگہ کا کام دے گی، مثلاً حدیث میں اعلیٰ کامیابی پر حدیث کی کوئی عمدہ کتاب تفسیر میں اعلیٰ کامیابی پر تفسیر کی اعلیٰ کتاب دی جائے۔

۱۶- ہر سال کے امتحانات میں ایک پرچہ امتحان کا ایسا ہو جس سے عام اہلیت وقابلیت وعلمی استعداد کا پتہ چلے کسی خاص کتاب سے تعلق نہ ہو، آخری فراغت علوم کے امتحان میں یہ تشخیص بہت ضروری سمجھی جائے۔

۱۷- عربی ادبی زبان کی قابلیت مقاصد تعلیم میں شامل کرنی چاہیئے ، ابتداً سے عربی انشا نویسی کی مشق وتمرین کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیئے ایک گھنٹہ مخصوص تحریر عربی کا ہو جو ہر درجہ میں لازمی ہو، تین سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد چوتھی جماعت میں تدریس کی زبان عربی ہو، مدرس عربی میں پڑھائے ، طلبہ واساتذہ کے سوالات وجوابات کا سلسلہ بھی عربی میں ہونا چاہیئے ۔

۱۸- طلباء میں عربی ادبی ذوق پیدا کرنے کے لئے عربی مجلات وصحف وجرائد کا اجراء لازمی ہے، اور ایک دارالمطالعہ کا قیام اس مقصد کے لئے ضروری ہے۔

۱۹- طلبہ میں تقریر وخطابت کی روح پیدا کرنے کے لئے ہفتہ وار جمعہ کی رات تقریر کرنے کے لئے مجلسیں قائم کی جائیں ہر درجہ کے طلبہ کے لئے علیحدہ مجلس تربیت ہو اور ہر ایک مجلس کی نگرانی وتربیت ایک استاد کے سپرد ہو، آخری تقریر استاد کی ہو ہر جلسہ کے لئے تقریر کا موضوع متعین ہو اور آخری استاذ کی تقریر میں تقاریر پر تنقید وتبصرہ ہو، ہر ہفتہ وار مجلس کا وقت کم از کم تین گھنٹہ ہو۔

۲۰- مدرسہ میں طلبہ کی تکثیر جماعت وتکثیر افراد کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے، کمیت قابل التفات نہ ہو بلکہ کیفیت پر توجہ مرکوز رکھی جائے۔ مستعدین کی قلیل جماعت غیر مستعد نااہل کے جم غفیر سے زیادہ قابل قدر سمجھی جائے، ارباب مدارس کو تکثیر سواد کے تنافس سے بے حد نقصان پہنچا، دس صحیح طالب علموں پر سالانہ بیس ہزار کا خرچ قابل برداشت ہونا چاہیئے، لیکن سو نااہلوں پر بیس ہزار کا خرچ بھی قابل مواخذہ ہے، الغرض خطرناک وبا کی شکل میں مدارس عربیہ دینیہ میں یہ مرض پیدا ہوگیا، اس کے علاج وتدارک کی طرف پوری توجہ کی ضرورت ہے۔

۲۱- نظام تعلیم میں عوام کو مدرسہ کی امداد پر مائل کرنے کے بجائے علم ودین کی خیر خواہی مقدم ہونی چاہیئے، خالق کی رضا مخلوق کی رضا سے مقدم ہونی چاہیئے، مخلوق کی رضامندی کی کوشش اور حق تعالے کی رضاجوئی سے غفلت کے نتائج دینی ودنیوی خسران ہے۔

۲۲- مدرسہ کے سالانہ بجٹ میں امتیازی وظائف وانعامی کتب کی مد ضرور رکھی جائے۔



# مدارس دینیہ عربیہ کا نظام

دور حاضر میں علمی زوال کے لئے جتنے خطرے پیدا ہوگئے تاریخ اسلام کے کسی دور میں اتنے خطرے نہ تھے، موجودہ دور میں مدارس کے آپس کے اختلاف ورقابتوں نے یا غلط مسابقت وبے جا تحاسد وتباغض نے ان خطرات میں مزید اضافہ کیا بلکہ ان خارجی فتنوں سے زیادہ خطرناک یہ داخلی فتنے ہیں، اگر ان حریفانہ رقابتوں کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی گئی تو خاکم بدہن وہ دن قریب ہیں کہ سارے مدارس فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے، اس وقت اس کی بڑی ضرورت ہے کہ مدارس عربیہ کے درمیان علمی مواسات اور علمی مواخات وعلمی روابط ہوں، اس مقصد کے پیش نظر مؤثر ترین تدابیر اختیار کرنے کی حاجت ہے، دوسروں کے لئے نہیں بلکہ اپنی خیر منانے کے لئے اس کی ضرورت ہے، اس وقت اس جاہ پسندانہ بحث سے کہ مرکز (وفاق) کونسا ہو؟ اور کیسا ہو؟ اور کہاں ہو؟ صرف نظر کر کے چند امور قابل توجہ ہیں:

۱- کراچی سے سرحد تک جتنے دینی مراکز ہیں آپس میں ایک متحدہ محاذ، متحدہ نظام، متحدہ مجلس شوریٰ بنائیں سال میں دو مرتبہ جمع ہوجایا کریں اور اراکین متحدہ اپنے اپنے مدارس کے مصارف پر یہ سفر اختیار کرلیا کریں۔

۲- ہر مدرسہ اپنا ایک ایک نمائندہ منتخب کرلیا کرے، ان مندوبین کے اجتماعات میں حسب ذیل امور زیر بحث آئیں:

(الف) نصاب تعلیم۔

(ب) نظام تعلیم۔

(ج) ممتاز فارغ التحصیل حضرات کی مکمل فہرست۔

(د) ممتاز فارغ التحصیل حضرات کے لئے کوئی علمی مقام تدریس کا تقرر۔

(و) ایک مشترکہ فنڈ کا قیام۔

(ز) اس فنڈ سے ایک مطبع کا قیام (جس میں مدارس کے نصاب تعلیم کی کتابیں طبع ہوتی رہیں)۔

(ر) جو کتاب نادر ہے نہیں ملتی یا طبع نہیں ہوئی اور نصاب تعلیم میں اس کی ضرورت ہے اس کو مشترکہ سرمایہ سے طبع کرا کر مدارس متعلقہ میں تقسیم کرایا جائے۔

۳- جس مدرسہ میں ممتاز شخصیت ہو اس کو ان مدارس میں جا کر علمی مشکلات اور علمی نفائس پر تقریر کرنی چاہیئے اور ان تقاریر اور ان خطبات کو شائع کرنا چاہیئے، الغرض اس قسم کے اسباب کو اختیار کیا جائے جس کے ذریعہ غلط تحاسد کی فضا ختم ہو جائے اور آپس میں اتحاد ہو اور مشترکہ طور پر علمی خدمت اور دینی خدمت میسر ہو۔

## مدارس دینیہ اور مدارس عصریہ کے نصاب تعلیم کا تقابل

چند دن ہوئے ایک مقامی روزنامے میں ایک محترم کا مضمون شائع ہوا تھا (جس سے بظاہر مقصد اظہار افسوس تھا) کہ موجودہ مدارس اسلامیہ عربیہ و دینیہ کا نصاب تعلیم ناقص ہے اور صحیح رجال کار پیدا نہیں ہوتے، ضرورت ہے کہ مدارس میں جدید علوم اور انگریزی زبان میں مہارت حاصل کی جائے تاکہ سرکاری دفاتر میں یہ فارغ التحصیل حضرات کام کر سکیں، ورنہ یہ بیکار کس کام کے ہیں؟

ہمیں نیت پر شبہ کرنے کی حاجت نہیں، بظاہر اخلاص ہی یہ مشورہ دیا گیا ہوگا اور دل سوزی سے اس مقصد کا اظہار کیا گیا ہوگا، لیکن عام تاثر یہ ہوا کہ مدارس عربیہ دینیہ کی تحقیر کی گئی ہے، مضمون نگار کا مقصد اپنے کمال کا اظہار ہو یا ارباب مدارس کی توہین، لیکن مجموعی اعتبار سے مضمون غیر سنجیدہ سمجھا گیا۔



مجھے اس وقت تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں مدارس دینیہ کے نصاب تعلیم کا مسئلہ عرصہ دراز سے موضوع بحث ہے اور ہر صاحب فکر ہر دور میں ترمیم کرتا چلا آیا ہے تاکہ اس کی افادیت واضح ہو، بہتر ہوتا اگر مضمون نگار ارباب مدارس دینیہ کو مشورہ دینے کے بجائے ارباب مدارس دنیویہ کو مشورہ دیتے کہ عصر حاضر کے سرکاری مدارس اور حکومت کے تعلیمی ادارے چونکہ قطعاً اس قابل نہیں ہیں کہ مسلمان نسل کی صحیح تربیت کر سکیں ان میں صرف جدید علوم پر کفایت کی جاتی ہے، اس لئے اگر نئی نسل کو اسلام پر رکھنا ہے تو انکی دینی تربیت اور ان کو صحیح مسلمان بنانے کیلئے بے حد ضروری ہے کہ نصاب تعلیم میں ترمیم کریں اور دینیات اور عربی زبان کی مہارت کو لازمی قرار دیں تاکہ جو جدید تعلیم یافتہ کسی سرکاری ادارے میں پہنچے تو وہ نہ صرف مسلمان ہو بلکہ عالم بھی ہو صرف جاہل انگریزی دان نہ ہو، موجودہ حکومتی مدارس کا نصاب تعلیم یکسر فرسودہ ہے، یہ نصاب جو انگریزی دور کے آثار قدیمہ سے تعلق رکھتا ہے، اپنی افادیت قطعاً کھو چکا ہے، اس کا کام چند خود سر آوارہ مزاج اور دین بیزار افسران اور کلرک تیار کرنا ہے اور بس، ملک وملت کے تقاضوں سے اسے کوئی سروکار نہیں، قومی ضروریات کیا ہیں؟ اس سے کوئی واسطہ نہیں، یہ نصاب تعلیم انگریزوں کی نقل اور مکھی پر مکھی مارنے کے سوا کچھ نہیں سکھاتا، اگر یہ مملکت مسلمانوں کی ہے، اگر یہاں اسلام کی کسی درجہ میں ضرورت ہے، اگر نئی نسل کو اسلام سے روشناس کرانا ضروری ہے، اور اگر مسلمان بن کر ملک وملت کی خدمت کرنی ہے تو نصاب تعلیم میں عربی زبان لازمی کرنی چاہیئے اور دینی علوم فقہ، حدیث، صرف ونحو، فرائض، معانی بیان وغیرہ بھی لازمی طور پر نصاب کا جز ہوں تاکہ سرکاری اداروں میں کام کرنے والے مسلمان بھی ہوں اور عالم دین بھی، ظاہر ہے کہ اسلامی تقاضے دنیاوی تقاضوں سے زیادہ قابل توجہ ہے، اگر قدیم درس گاہوں کے فارغ التحصیل دنیا کے مال ومتاع سے محروم رہے، دنیا کی منڈی میں ان کے

بیش قیمت جواہر کا کوئی خریدار نہیں اور وہ سرکاری ادارہ کی ملازمت سے مستفید نہ ہو سکے، تو جدید علوم کے حاملین دین کے متاع گراں مایہ سے محروم رہے اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رہا، گویا قدیم نصاب والوں کو دنیا نہیں ملی تو جدید والوں کو دین نہیں ملا، اب دیکھئے کہ زیادہ خسارہ میں کون رہا؟ نقصان کس کا زیادہ ہوا؟ اگر یہ مشورہ ارباب مدارس دینیہ کو دیا جاسکتا ہے کہ وہ جدید علوم کو داخل نصاب کرلیں، تو اس سے زیادہ اہم اور نہایت مفید مشورہ سرکاری مدارس کو دیا جانا چاہئے کہ قدیم علوم بھی پڑھائے جائیں تاکہ نئی نسل مسلمان رہے اور دنیا کے متاع کے ساتھ متاع آخرت سے بھی مالا مال ہو۔

''جدید علوم'' جن کا نام رکھا ہے غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ سب سے زیادہ مدار انگریزی زبان پر ہے، انگریزی زبان جو انگریز پرستی کی یادگار ہے آج اگر اس کو خانہ بدر کیا جائے اور تمام جدید علوم کو اردو میں منتقل کیا جائے تو علوم جدید کا یہ سارا شور وغل اور غلغلہ یکسر ختم ہوتا جائیگا، آج کل جدید تعلیم یافتہ حضرات میں سوائے انگریزی لکھنے پڑھنے بولنے کے اور کیا کمال ہے؟ بلکہ بقول ہمارے استاذ حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثانی ''کہ انگریزی ان حضرات کے جہل پر نقاب ہے، اگست ۱۹۴۷ء میں جو پہلا اجلاس ہوا حضرت مرحوم بنگال سے متفقہ نمائندہ منتخب ہوگئے تھے اسمبلی کے ممبر تھے، اسمبلی میں تقریریں سب یا اکثر انگریزی میں ہوئیں، مرحوم کو بہت صدمہ تھا فرمایا کہ ''اردو میں تقریریں کریں تو معلوم ہو کہ کیا کہا گیا؟ غلط بات کا جواب بھی دے سکیں، یہ انگریزی تو ان کے جہل پر نقاب ہے''، بالکل سچ فرمایا اور ایک حقیقت کا اظہار عجیب انداز سے فرمایا۔

جس وقت وکالت کے لئے انگریزی زبان لازم نہ تھی کتنے ارباب علم تھے کہ جنہوں نے اردو میں وکالت کا امتحان دیا جن کے سامنے یہ ''ایڈووکیٹ'' ''بیرسٹر'' دم بھی نہیں مار سکتے تھے، یہ تو ملک کی بدنصیبی ہے کہ انگریز گئے لیکن انگریزیت چھوڑ گئے، اب انگریزی کی



محبت دلوں میں سرایت کرگئی اور انگریزی زبان کی محبت کے ساتھ تمام خدا فراموش زندگی اور تہذیب وتمدن کے مہلک جراثیم قوم کی زندگی میں ایسے پیوست ہوگئے کہ اب ان کا نکالنا ''کارے دارد''، بلاشبہ یہ کہنا درست ہوگا کہ مدارس عربیہ دینیہ کا رخ صرف آخرت کی طرف ہے اور سرکاری مدارس کا رخ دنیا کی طرف ہے لیکن اگر ملک وملت کی خدمت کے لئے اور سرکاری مناصب کے لئے کارکنوں کو تیار کرنے کی غرض سے جدید علوم کی ضرورت ہے تو اس سے کہیں زیادہ آخرت کی نعمتوں کے مستحق ہونے کے لئے قدیم علوم کی ضرورت ہے، قبل ازیں بینات کے کسی شمارے میں علوم دین ودنیا کی تفریق پر ایک بصیرت آموز تحریر آگئی ہے۔

## ※ مدارس عربیہ کے تعلیمی نظام کیلئے لائحہ عمل ※

حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ نے ایک نہایت قابل احترام بزرگ کے نام مدارس عربیہ کی افادیت کو مزید بڑھانے کے سلسلے میں مندرجہ ذیل گرامی نامہ تحریر فرمایا۔

۲۲ رجب المرجب ۱۳۶۹ھ

### گرامی مآثر مخدوم محترم زیدت مفاخرکم العالیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرصہ گذرا کہ والا نامہ باعث شرف ہوا تھا، مجھے بے حد ندامت اور افسوس اور اپنی تقصیر کا اعتراف ہے کہ جواب میں اتنی شدید تاخیر ہوئی؛ عمر میں آپ کا یہ پہلا والا نامہ آیا تھا، مجھے فوراً جواب دینے کی کوشش کرنی چاہئے تھی اور شاید میری عمر میں ہی کسی خط کے جواب میں اتنی شدید تاخیر کا یہ پہلا موقعہ ہوگا، بہرحال نادم ومقصر ہوں، لیکن تاخیر دراصل صرف اسلئے ہوئی کہ میں چاہتا تھا کہ تعمیل حکم کے لئے مفصل عریضہ لکھوں اور اس کیلئے فرصت وقت ونشاط کا متلاشی رہا، ایک طرف مدرسہ عربیہ اسلامیہ (موجودہ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ) کے سالانہ امتحان کا قرب، کتابوں کی ختم کرانے کی فکر اور دوسری طرف دوسرے مشاغل، کچھ مفید کچھ غیر مفید کاموں کا ہجوم، طبیعت میں نشاط کا فقدان، علمی کسل وغیرہ موانع پیش آتے رہے، ورنہ آپ کا نامہ کرم جواب طلب خطوط میں سب سے پہلے رکھا



تھا، امید ہے کہ میرے ان اعذار کی وجہ سے آپ معاف فرما کر ممنون کرم فرمائیں گے۔

جس وقت آپ کا یہ نصاب مرتب ہو چکا تھا برادرم مولانا صاحب نے ایک کاپی ارسال کی تھی اس وقت سرسری سی کچھ ترمیم پیش کی تھی اور ایک مختصر خط میں چند اصولی باتیں پیش کی تھی، تجویز نصاب کا مسئلہ بیحد اہم اور وقت کا شدید تقاضا اور اہم ضرورت ہے، اور جیسا کچھ ہوسکے کوشش کر کے طے کرنے کی ضرورت ہے، اتفاق سے مجھے عرصہ سے اس کا احساس اور شغف رہا ہے لیکن اس ضرورت کیلئے سنجیدہ دماغ، مخلص حضرات اور تجربہ کار اصحاب جمع ہو کر کوئی خاکہ تیار کریں تو بہتر ہوگا، انفرادی کوشش نہ تو مفید ہوسکتی ہے نہ مؤثر اور نہ ہی امت کے لئے قابل قبول۔

نصاب کے بارے میں تو میں بعد میں عرض کروں گا اور شاید اس مراسلہ میں اس کی نوبت نہ آئے لیکن میرے خیال میں نصاب سے زیادہ اہم چند باتیں ہیں جو تعیین نصاب کے لئے اصول موضوعہ کا کام دیتی ہیں، اسلئے عرض کرتا ہوں اور یہ مقصد نہیں کہ وہ چیزیں آنجناب کے پیش نظر نہیں ہیں لیکن شاید زیادہ توجہ نہ ہو، یا کم ازکم لازم فائدۃ الخبر کے درجہ میں خیال فرمائیں۔

## اساتذہ کی تقرری کی شرائط اور طلبہ کی اخلاقی وعلمی نگرانی

۱- نصاب کوئی بھی ہو لیکن اساتذہ کے انتخاب میں زیادہ غور کی ضرورت ہے اس کے لئے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے:-

(الف) مفوضہ کتابوں کی تدریس میں اعلی درجہ کی مہارت رکھتے ہوں جسکا حاصل یہ ہے کہ استعداد بہت اعلی ہو۔

(ب) مخلص ہوں، اور دل سے چاہیں کہ طلبہ کو علم آجائے۔

(ج) جن علوم کو پڑھاتے ہوں ان سے شغف وطبعی مناسبت ہو، غرض یہ کہ محض وقت گذارنا یا معاش کی ضرورت کو پورا کرنا مقصد نہ ہو، استعداد، اخلاص، شوق ومناسبت یہ تین باتیں مدرسین کیلئے معیار انتخاب ہوں۔

۲- طلبہ کیلئے آسائش وراحت کا پورا خیال رکھا جائے اگر مدرسہ میں سو طلبہ کے لئے وسعت اور راحت کا انتظام نہ ہو تو بیس رکھے جائیں لیکن ان کی عملی نگرانی بہت سخت کی جائے، درسوں میں حاضری، رات کا مطالعہ، امتحانات میں نہایت سختی کی جائے اور تسامح نہ کیا جائے، مثلاً اگر سہ ماہی میں فیل ہوگیا تو ششماہی کے لئے تنبیہ کی جائے اگر ششماہی میں فیل ہوگیا تو سالانہ امتحان میں نہ لیا جائے گا، اس میں کوئی مراعات ہرگز نہ کی جائے کہ یہی مراعات سم قاتل ہے۔

۳- اساتذہ کو کتابیں پڑھانے کے لئے اتنی دی جائیں کہ آسانی سے ان کا مطالعہ کرسکیں اور ان کے متعلقات کو دیکھ سکیں اور ان کو صرف اس کتاب کے حواشی وشرح پر کفایت نہ رکھنی چاہیے بلکہ فن کی اعلیٰ کتابیں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔

۴- ہر درجہ کے مناسب طلبہ کو بھی مطالعہ کیلئے کتابیں دینی چاہئیں اور ان میں امتحان ضروری ہو یعنی بغیر تدریس کے صرف مطالعہ سے وہ ان کتابوں پر عبور حاصل کرلیں اور امتحان دیں۔

۵- طلبہ کی اخلاقی نگرانی بہت شدید ہونی چاہیے، اسلامی حلیہ اور دینی وضع میں کوئی مسامحت برداشت نہیں کی جاسکتی بلکہ غبی محنتی کو برداشت کیا جائے اور ذکی مستعد آزاد کو نہ رکھا جائے، مدرسہ میں قواعد وضوابط ایسے ہوں کہ نماز کی پابندی اور لباس وپوشاک میں علمی وضع کی حفاظت ہو۔

۶- مسابقت کے امتحانات مقرر ہوں، نیز ہر سہ ماہی ششماہی امتحانات میں طلبہ کی



اعلیٰ کامیابی پر وظیفہ دینا چاہیے۔

۷- ہر سال میں امتحانات میں ایک پرچہ امتحان کا محض عام استعداد وقابلیت کا رکھنا چاہیے جس کا کسی خاص کتاب سے تعلق نہ ہو، ہاں اس درجہ کی اہلیت ضروری ہے۔

۸- عربی بولنے کی قابلیت مقاصد میں شامل کرنی چاہیے، تین سال کے بعد تدریس کی زبان عربی ہونا چاہیے۔

۹- عربی ادب پر خاص معیار سے توجہ دینی ہوگی، تقریر وتحریر کی تربیت دی جائے اور اسکے لئے بہت تفصیل طلب اور مہم تنبیہات کی حاجت ہے جو بعد میں عرض کروں گا۔

۱۰- ہر زمانہ کا ایک فن ہوتا ہے اس زمانہ کا مخصوص فن تاریخ وادب ہے، اس پر توجہ زیادہ کرنی ہوگی۔

۱۱- قرآن کریم کا ترجمہ ابتدا سے شروع کرنا چاہیے اور تین چار سال میں ختم کرنا چاہیے، بغیر کسی تفسیر کے محض ترجمہ ابتداءً زیر درس ہونا چاہیے اور قابلیت بڑھانے کیلئے مخصوص اجزاء اور سورتوں کا انتخاب کرنا چاہیے، اور لغوی وادبی تحقیق کے ساتھ پڑھانا چاہیے۔

۱۲- طلبہ کے مطالعہ کے لئے ایک دار المطالعہ مخصوص ہو، ان کیلئے مفید کتابیں اور عربی مجلات وجرائد رکھنے چاہیے۔

۱۳- مدرسہ کے سالانہ بجٹ میں ایک رقم مستقل بسلسلہ اصلاح نصاب اور تبدیل کتب علیحدہ کرنا ضروری ہو، یہ اس لئے کہ نصاب کی مشکلات میں سب سے زیادہ مشکل مرحلہ ہمارے غریب مدارس کیلئے قلت سرمایہ کا ہے۔

۱۴- تین نصابوں کی ضرورت ہے:-

(الف) ایک سہ سالہ نصاب جسمیں فقہ، قرآن وحدیث، تاریخ، صرف ونحو، معانی،

ادب، عقائد اور فرائض شامل ہوں تاکہ جو شخص صرف اپنی ضرورت کیلئے عالم بننا چاہتا ہو وہ علم حاصل کر سکے، تعلیم و تدریس کو پیشہ نہیں بنانا چاہتا ہو بلکہ تجارت وغیرہ میں زندگی بسر کرنا چاہتا ہو۔

(ب) مدرس و عالم بننے کیلئے نصاب زیادہ سے زیادہ ہشت سالہ ہو۔

(ج) تیسرا نصاب درجہ تکمیل کا ہے ایک سال کا اور دو سال کا اس میں مفتی، محدث، ادیب، مؤرخ وغیرہ اسی قسم کے چند شعبے ہوں۔

حاصل یہ ہے کہ نصاب خواہ کوئی بھی ہو لیکن اگر ان امور کی رعایت کی جائے تو انشاء اللہ اچھے عالم نکل سکیں گے۔

طلبہ میں تکثیر سواد کی کوشش نہیں کرنی چاہیے! بلکہ معیار انتخاب کے مطابق کوشش کرنی چاہیے، تعداد چاہے جتنے بھی کم ہو، جو طلبہ ذہین و ذکی اور مستعد ہوں انکی ترغیب اور حوصلہ افزائی کے لئے مختلف وجوہ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا، مثلاً خصوصی وظیفہ جاری کرنا درجہ تکمیل میں جانے کی ترغیب دینا بلکہ درجہ تکمیل میں باقاعدہ ایسا وظیفہ دیا جائے جو ضروریات زندگی کے لئے کفایت کرے۔

## تقسیم کتب درسی

ایک اہم بات جو سلسلہ تعلیم میں ضروری ہے اسے لکھنا بھول گیا، وہ یہ کہ ابتدائی کتابیں قابل اساتذہ کے پاس ہوں، مثلاً بڑے استاد کو ایک چھوٹی کتاب دی جائے، اس میں طرفین کا فائدہ ہوگا، طلبہ کو تجربہ کار استاذ سے استفادہ کا موقع ملے گا اور مدرس کا کام ہلکا ہو جائیگا، بجائے ایک بڑی کتاب کے چھوٹی کتاب ہوگی جسمیں اسے زیادہ دماغ سوزی نہیں کرنی پڑے گی اور جب مدرس مخلص ہوگا تو یہ سوال پیدا نہیں ہوسکتا کہ بڑی کتابیں



پڑھانے والا چھوٹی کتابیں پڑھانا اپنی توہین سمجھے۔

نصاب کے بارے میں ایک چیز قابل گذارش ہے کہ موجودہ نصاب میں سوائے چند کتابوں کے کوئی ایسی کتاب نہیں جس سے بہتر قدماء کی عمدہ تالیفات نہ مل سکتی ہوں۔

نصاب کی ترمیم میں یہ بات پیش نظر رکھنا بے حد ضروری ہے کہ کتابیں ایسی داخل درس نہ ہوں جن میں کتاب کی بحثیں کم ہوں اور مصنف کے الفاظ مطالب کرنے میں وقت زیادہ، مثلاً اگر اختصار شدید سے کاغذ کم خرچ کیا گیا لیکن تفہیم میں دماغ اور وقت کتنا زیادہ لگا، اتنا وقت اگر حفظ مسائل پر خرچ ہوگا تو زیادہ بہتر ہوگا، ملکہ و بصیرت مختصرات مخلہ سے کبھی حاصل نہیں ہوسکتی، زیادہ تر کوشش اس کی ہونی چاہیے کہ تفہیم مقاصد و مسائل میں پورا انشراح حاصل ہو، اگرچہ جزئیات کا استیعاب نہ ہوسکے، بعض متون درسیہ میں اگرچہ استقصاء مسائل زیادہ ہے لیکن پہلا مقصد (تفہیم مقاصد و مسائل) حاصل نہیں ہوتا حالانکہ وہ زیادہ ضروری ہے۔

رہا معاشیات و اقتصادیات و سیاسیات کا داخل نصاب ہونا تو یہ مرحلہ اتنا مشکل نہیں امت کو اسکی اتنی ضرورت بھی نہیں، کیونکہ اس کیلئے بہت مل جاتے ہیں مشکل تو ''رسوخ فی العلم'' ہے ہمیں صحیح العلم، راسخ العلم، ذکی اور مخلص علماء تیار کرنے ہیں یہ چیزیں مطالعہ کی ہیں بآسانی بعد الفراغ حاصل کی جاسکتی ہیں۔

یہ چند باتیں اس وقت مختصر فرصت میں نہایت استعجال و ارتجال کے ساتھ پیش کر رہا ہوں، امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

والسلام خیر ختام

(ذوالحجہ ۱۳۸۹ھ)

# عربی زبان اور اسلام

اسلام اور عربی زبان کا جو باہمی محکم رشتہ ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

(۱) اسلام کا قانون عربی زبان میں ہے۔

(۲) اسلام کا آسمانی صحیفہ قرآن حکیم عربی زبان میں ہے۔

(۳) اسلام کے پیغمبر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی مادری زبان عربی ہے۔

(۴) حضرت رسالت پناہ نے ﷺ کی تمام تر تعلیمات وہدایات اور ارشادات کا پورا ذخیرہ عربی زبان میں ہے۔

(۵) اسلام کی اہم ترین عبادت صلوٰۃ (نماز) جس کو روئے زمین کے تمام مسلمان اپنے اپنے ملکوں میں روزانہ پانچ وقت پڑھتے ہیں وہ عربی زبان میں ہے، یہ نماز ہی توحید اسلام کا اعلیٰ ترین مظہر اور دین اسلام کی بنیادی عبادت ہے۔

(۶) پھر ہفتہ واری اسلام کا پیغام (جمعہ کا خطبہ) عربی زبان میں ہے۔

(۷) سال میں دو مرتبہ عمومی واجتماعی پیغام (عید الفطر وعید الاضحیٰ کا خطبہ) تمام دنیا میں عربی میں پڑھایا جاتا ہے۔

(۸) حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نے امت کی رہنمائی کے لئے جو عجیب وغریب اذکار اور دعائیں صبح سے شام تک ہر محل میں وہر موقع اور ہر کام کے لئے تلقین فرمائی (عبد اور معبود کے درمیان تعلق ورابطہ پیدا کرنے یا اس سے رشتہ کو مضبوط کرنے کے لئے جن سے زیادہ مؤثر اور کوئی تدبیر نہیں) وہ سب عربی میں ہیں۔

(۹) اسلام کا حسی مرکز بارگاہ قدس رب العالمین اور تجلیات الٰہیہ کا سرچشمہ جس سرزمین میں واقع ہے (مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً وتکریماً ومھابۃ) وہ عرب ہے، اور وہاں کے باشندوں کی زبان عربی ہے۔



(۱۰) سید الکونین رسول الثقلین حضرت رسول اللہ کی آرام گاہ اور دار الہجرۃ جس سرزمین مقدس میں واقع ہے (مدینہ منورہ زادھا اللہ نوراً وطیبا) وہ عرب میں ہے اور اسکے بسنے والوں کی زبان بھی عربی ہے، مکہ معظمہ جس طرح عدنانی عرب کا مرکز تھا، اسی طرح ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ قحطانی عرب کا مرکز بن گیا، ان دونوں مرکزوں کی زبان اور تہذیب عہد قدیم سے آج تک عربی ہے، دونوں قوموں (عدنانی وقحطانی عربوں) کا سرمایہ تاریخ وادب عربی زبان میں ہے۔

(۱۱) قرآن کریم اور اسلام کے پہلے مخاطب جزیرۃ العرب میں بسنے والی پوری آبادی عرب ہے۔

(۱۲) جزیرۃ العرب سے باہر اسلام کے دو اہم ترین مرکز عراق وشام ہیں، دونوں ملک عربی زبان وتہذیب کا گہوارہ تھے اور ہیں، مصر، لیبیا، سوڈان، مغربی افریقہ، الجزائر، تونس اور مراکش وغیرہ سب عربی بولنے والوں کے مرکزی مقامات ہیں، شمالی افریقہ کی اکثریت کی زبان بھی عربی یا بگڑی ہوئی عربی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظامؒ کے زمرہ میں شامل عرب فاتحین جو اسلامی فتوحات کے سلسلہ میں سندھ وہند، افغانستان اور بخارا سے لیکر اسپین تک نہ صرف پھیل گئے بلکہ ان ملکوں میں بس بھی گئے تھے، ان کے ذریعہ ان ملکوں میں بھی عربی زبان پہنچ گئی اور چونکہ ان ملکوں کی تمام مسلمان قوموں کا دینی سرمایہ عربی زبان میں تھا اس لئے ان ملکوں کی بھی دینی اور مذہبی زبان عربی بن گئے، چنانچہ نہ صرف یہ کہ ان ممالک اسلامیہ میں لائق فخر عربی دان پیدا ہوئے بلکہ عجمی ممالک کے ان مراکز سے عربی کے وہ مایہ ناز ماہرین وموجدین علوم وفنون پیدا ہوئے جن کی نظیر کا دنیا تصور بھی نہیں کرسکتی، انہی عجمی علماء کی بدولت عربی علوم میں صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، لغت، عربی رسم الخط، علم الاشتقاق،

عروض وقافیہ اور شعروادب، اور اسلامی علوم میں تفسیر واصول تفسیر، حدیث واصول حدیث، فقہ واصول فقہ، عقائد وتوحید وکلام، اور آلی علوم میں منطق، فلسفہ، ہیئت ریاضی وغیرہ علوم کا سارا ذخیرہ عربی زبان میں ڈھل گیا، اور نہ صرف یہ بلکہ عربی زبان کے حقائق "فقہ اللغۃ" کی باریکیاں اور حیرت انگیز لسانی خصوصیات عربی تلفظ کی صحت وسہولت کے قواعد وضوابط اور لسانی حسن وجمال کی نیرنگیاں وغیرہ وہ علمی سرمائے ہیں کہ عربی کے علاوہ دنیا کی اور دوسری زبانوں میں ان کا پتہ تک نہیں ہے۔

الغرض دینی علوم ہوں یا اسلامی تاریخ، وحی الٰہی کا منبع ہو، یا تعلیم وتربیت نبوی کا سرچشمہ، اتحاد اسلامی کی عظیم مقصد ہو یا بین المملکتی سیاسی فوائد ومصالح، ہر لحاظ اور ہر حیثیت سے عربی زبان کی اہمیت سے انکار جنون کے مترادف ہے۔

عصر حاضر میں بھی صحرائے عرب میں (جزیرۃ العرب کے اندر اور جزیرۃ العرب کے باہر) اللہ تعالٰے کی قدرت ومشیت سے جو زر سیال (پٹرول اور دوسرے معادن) کے ابلتے ہوئے چشمے نمودار ہوگئے ہیں انہوں نے ان بادیہ نشینوں اور خانہ بدوشوں (عرب اقوام) کو عزت ومجد اور عظمت وثروت کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچادیا ہے کہ آج روس وامریکہ، فرانس وبرطانیہ جیسے اعداء اسلام بھی اپنے اقتصادی وسیاسی مفاد ومصالح کی خاطر ان بدویوں کی خوشامد پر اور اس کے لئے عربی زبان سیکھنے اور بولنے پر مجبور ہوگئے ہیں، اسی لئے تمام یورپین ممالک کے لئے عربی زبان وادب کی درسگاہیں کھولنا اور انکو فروغ دینا ناگزیر ہوگیا ہے، کویت کا صحراء آج وہ دولت وثروت اگل رہا ہے، جس کی بدولت انگلستان کی باغ وبہار قائم ہے، اگر آج کویت کی دولت انگلستان کے بینکوں سے نکال لی جائے تو برطانیہ کا دیوالیہ نکل جائے گا۔

غرض جس طرح عہد ماضی میں روحانی ہدایت کے سرچشمے صحراء عرب سے پھوٹے



آج بالکل اسی طرح مادی دولت وثروت کے سرچشمے بھی اسی سرزمین سے ابل رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دین ہو یا دنیا، روحانیت ہو یا مادیت ہر جہت اور ہر حیثیت سے عربی زبان دنیا کی تمام قوموں کے لئے اپنی غیر معمولی اہمیت کی بنا پر قابل توجہ بنی ہوئی ہے۔

آج ان ممالک کو عربی داں ٹیچر کی ضرورت ہے، جدید علوم وفنون کے عربی دان ماہرین کی احتیاج ہے، عربی دان ڈاکٹروں طبیبوں، انجینئروں اور مہندسوں کی ضرورت ہے، اقتصادیات وتجارت کے ماہرین کی حاجت ہے، زراعت وصنعت میں رہنمائی کی ضرورت ہے۔

اگر ہماری عظیم ترین اسلامی مملکت پاکستان اس حقیقت اور صورتحال پر ذرا بھی غور کرتی اور ان بین المملکتی مصالح کے پیش نظر عربی زبان کی اس غیر معمولی اہمیت کو محسوس کرتی اور نہ صرف اپنے تعلیمی اداروں، یونیورسٹیوں، کالجوں اور اسکولوں میں عربی زبان وادب کو فروغ دیتی اور ابتداء سے لیکر انتہاء تک عربی زبان وادب کو بحیثیت زبان کے لازمی مضمون قرار دیتی بلکہ ہر طبقہ اور شعبہ کے ماہرین کے لئے مستقل عربی زبان وادب کی تعلیم کے مراکز کھول دیتی تو آج صورت حال بالکل بدلی ہوئی ہوتی، اور تمام ممالک اسلامیہ عربیہ کی تعلیمی، اقتصادی، تجارتی، صنعتی اور زراعتی ضرورتیں پاکستان پوری کرتا اور اس وسیلہ سے ان ممالک کی قیادت بھی پاکستان ہی کے ہاتھ میں ہوتی۔

صرف سعودی مملکت کے ہسپتالوں میں اس وقت ۷۵ فیصد ڈاکٹر پاکستانی ہیں، طائف جیسی چھوٹی سی جگہ میں پندرہ پاکستانی ڈاکٹر کام کررہے ہیں، اگر آج ہمارے گریجویٹ عربی زبان وادب کے ماہر نہ سہی صرف واقف ہی ہوتے تو ان ممالک میں سو فیصد ڈاکٹر، انجینئر، ٹیچر اور ماہرین علوم وفنون پاکستانی ہی ہوتے، اس لئے کہ مملکت سعودیہ عربیہ کے ہمسایہ ممالک شام ولبنان واردن میں اتنی صلاحیت نہیں کہ وہ سعودی مملکت کی

ضرورتوں کو پورا کرسکیں، جمہوریہ متحدہ مصر سے ان کے تعلقات شگفتہ نہیں ہیں اس لئے مجبوری اور بادل ناخواستہ یورپ وامریکہ جیسے ازلی دشمن اسلام ممالک سے یہ ضرورتیں پوری کی جارہی ہیں، اس کے عواقب ونتائج کیا ہوں گے؟ یہ بالکل ظاہر ہے، عرب ممالک کو ٹکڑے ٹکڑے کردینے اور مختلف بلاکوں میں تقسیم کردینے کے سلسلہ میں ان کی ریشہ دوانیاں بے نقاب ہوچکی ہیں، یہ معلوم کرکے انتہائی صدمہ ہوا کہ حکومت سعودیہ عربیہ نے ایک سو ماہرین تعلیم امریکہ سے بلائے ہیں اور یہ بھی سنا ہے کہ ان ماہرین تعلیم نے آتے ہی عربی ادب اور قرآن کریم کو مملکت سعودیہ عربیہ کے نصاب تعلیم سے نکال دیا ہے اگر یہ صحیح ہے تو:-

''چیست یاران طریقت بعد ازین تدبیر ما؟''

کاش پاکستان کے ارباب حل وعقد میں ذراسی بھی اسلامی غیرت وحمیت موجود ہو اور وہ ان حقائق پر ذراسا بھی غور وفکر کریں اور فی الفور عربی زبان وادب کی تعلیم وترویج وتوسیع کی کوشش شروع کردیں اور عربی زبان جاننے والے جدید علوم وفنون کے ماہرین پیدا کرنے لگیں تو اس شرمناک اور غیرت سوز صورت حال کا تدارک بآسانی ہوسکتا ہے۔

جس طرح آج پاکستانی ڈاکٹر سرزمین مقدس حجاز میں پہنچے ہوئے ہیں اگر ہمارے تمام تعلیم یافتہ گریجویٹ نوجوان بھی عربی زبان وادب سے واقف ہوتے تو مملکت سعودیہ عربیہ کے تمام سرکاری محکمے اور تعلیمی ادارے بھی پاکستانی ماہرین سے معمور ہوتے، اور اس تعلیمی اور تربیتی رشتہ اور رابطہ کے بعد دونوں اسلامی ملکوں کے تعلقات کی کیا نوعیت ہوتی؟ اس کا اندازہ آپ خود لگایئے، علاوہ ازیں ممالک عربیہ اسلامیہ کی یہ صحیح خدمت انجام دینے کے بعد اغیار کی خفیہ ریشہ دوانیوں سے بھی (جن کا راز اب طشت ازبام ہوچکا ہے) مملکت سعودیہ اور دوسرے عربی ممالک کو نجات مل جاتی، دین ودنیا دونوں کی وہ حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوتی جس کا تصور کرنا بھی آج مشکل ہے۔



تعلیم جیسی بنیادی واساسی خدمت کی زمام ہاتھ میں آجانے کے بعد عرب ممالک کا نوجوان طبقہ جس کے ہاتھ میں کل حکومتوں کے کلیدی عہدے ہوں گے، یورپین ممالک کے بجائے پاکستان ہی کا رہین منت اور اسلامی تہذیب وتمدن سے متأثر ہوتا۔

افسوس کہ ہمارے حکمرانوں کو ملک وملت کے ان اہم ترین مفادات کو سوچنے سمجھنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا نہیں بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ حضرات اپنی اغراض وخواہشات کی بناء پر پاکستان میں عربی زبان وادب اور دینی تعلیم کو کسی بھی قیمت پر برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں فیا غربة الاسلام!!

عربی زبان سیکھنے کے لئے جہاں تک معمولی نوشت وخواند کا تعلق ہے صرف تین چار ماہ کا عرصہ کافی ہے وہاں عربی زبان وادب کی مہارت اور لسانی علوم وفنون (صرف ونحو، معانی وبیان وبدیع، لغت واشتقاق ومحاضرات) قرآن اعجاز کے حقائق تک پہنچنا سکے لئے تو بے شک عمریں درکار ہیں اور یہ مرحلہ اتنا مشکل ہے کہ امت محمدیہ کے مخصوص افراد کے حصہ میں بھی بمشکل ہی آتا ہے، مشہور ہے کہ قرآنی اعجاز کی نقاب کشائی امت میں صرف شیخ عبدالقاہر جرجانیؒ اور علامہ زمخشریؒ ہی کرسکے ہیں۔

چنانچہ مقولہ مشہور ہے کہ:-

''لَمْ يَدْرِ إِعْجَازَ الْقُرْآنِ إِلَّا الْأَعْرَجَانِ''

ہمارے شیخ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ قدس اللہ سرہ اس پر ذیل جملہ کا اضافہ فرماتے ہیں:-

''أَحَدُهُمَا مِنْ زَمَخْشَر وَالْآخَرُ مِنْ جُرْجَان''

بہرحال اگر اب بھی حکومت کے تعلیمی ادارے اور محکمے بی-اے یا ایم-اے پاس طلبہ کو صرف عربی زبان سکھانے کے لئے ایک عربی زبان کی کلاس تمام یونیورسٹیوں اور

کالجوں میں کھول لیں۔

عرب ممالک شام وعراق واردن ومصر وغیرہ کے ایسے اساتذہ بلائیں جو اردو انگریزی بالکل نہ جانتے ہوں تو ہمارا تجربہ ہے کہ طلبہ چند ہفتوں میں ہی عربی سمجھنے بولنے پر قادر ہوجاتے ہیں۔

اور فصیح عربی زبان کے مقابلہ پر عوامی بول چال کی عربی تو اور بھی آسان ہے اس میں صرف ونحو کے قواعد کی پابندی نہیں کرنی پڑتی، اگر عربی کو عربی میں پڑھایا جائے اور ذرا سی لکھنے کی مشق کرائی جائے تو چند ہفتوں میں اچھی خاصی عربی بول چال اور نوشت وخواند کی مہارت پیدا ہوجاتی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی (جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن) میں یہ صلاحیت واہلیت موجود ہے کہ وہ اپنے اہتمام وانتظام کے تحت ہر دوقسم کی عربی تعلیم کی خدمت کی انجام دے سکے اور عربی کو عربی میں پڑھانے والے عرب اساتذہ بھی میسر ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ اگر دین کی ضرورت پیش نظر ہو تب بھی عربی علوم سے استغنا ممکن نہیں، اور اگر دنیا کے مصالح (خصوصاً اقتصادی وسیاسی مفادات) پیش نظر ہوں تب بھی عربی زبان وادب سے استغنا صحیح اور معقول نہیں۔

عصری تعلیم کا منتہائے نظر پیٹ کی پرورش ہے، اور گرانقدر تنخواہیں اور عہد جدید تعلیم یافتہ حضرات کا معراج کمال ہے، اس سلسلہ میں بھی آج کل ممالک عربیہ اسلامیہ میں ہر قسم کے تعلیمی وتربیتی عہدے اور منصب بآسانی مل سکتے ہیں اور ان ممالک میں تنخواہوں کا معیار بھی کثرت زر کی بنا پر پاکستان سے کہیں اونچا ہے صرف عربی زبان سے واقفیت کی کسر ہے، "الیس منکم رجل رشید؟" (کیا ہے کوئی ہوشمند درست کار مرد؟)

(محرم ۱۳۸۶ھ)



# عربی زبان اور اسکی اہمیت

عربی زبان کی دینی اہمیت تو ظاہر ہے کہ:

(۱) اسلام کا بنیادی پیغام قرآن حکیم تمام عالم کے لئے حق تعالے کا آخری پیغام ہے وہ عربی زبان میں ہے۔

(۲) دین اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں توحید ونبوت کے بعد نماز جو عماد دین ہے اس کے تمام ارکان قرأت قرآن اذکار وادعیہ یعنی پوری نماز اول سے آخر تک عربی میں ہے۔

(۳) عیدین وجمعہ کے خطبے عربی زبان میں ہیں۔

(۴) حضرت رسالت پناہ فداہ ابی وامی ﷺ کی تمام تعلیمات وارشادات کا عظیم الشان ذخیرہ یعنی احادیث عربی میں ہے۔

(۵) حضرت رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی نسبتاً عربی قریشی ہاشمی ہے، بعض روایات میں عربی زبان سے محبت کرنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا گیا:

((أَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ: لِأَنِّي عَرَبِيٌّ، وَالْقُرْآنُ عَرَبِيٌّ وَكَلَامُ أَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ))

ترجمہ: یعنی میں بھی عربی اللسان ہوں قرآن بھی عربی میں ہے اور اہل جنت کی زبان بھی عربی ہے۔

(۶) حضرت خاتم الانبیاء ﷺ نے امت کو جو اذکار اور دعائیں تلقین فرمائی ہیں جو بجائے خود عجیب وغریب دعائیں ہیں جن میں دین ودنیا کی کوئی ضرورت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق دعا ارشاد نہ فرمائی گئی ہو بلکہ دعاؤں کی جامعیت دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے،

کوئی بڑے سے بڑا عاقل انسان بھی اس جامعیت کا تصور تک نہیں کر سکتا، جس سے ان کا الہامی ہونا ظاہر ہے اور نبوت کے اعجاز کی مستقل دلیل ہے یہ سب کچھ عربی زبان میں ہے، (۷) بزرگان دین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین عظامؒ سے لے کر جنیدؒ وشبلیؒ تک پھر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور صاحب حزب البحرؒ وصاحب دلائل الخیراتؒ وغیرہ وبقیہ بزرگان دین کی دعائیں اذکار اور درود شریف سب عربی زبان میں ہیں، (۸) اللہ تعالے کے پیارے ننانوے مبارک نام بھی عربی میں ہیں، رسول اکرم ﷺ کے مبارک نام بھی عربی میں ہیں، غرض کیا کیا چیزیں گنوائی جائیں، خلاصہ یہ کہ پورا دین اور دین کے ہر ایک جز کا عربی زبان سے تعلق ہے، اس لحاظ سے ایک مسلمان کا بحیثیت دین جتنا تعلق بھی عربی زبان سے ہو بجا ہے، دنیاوی اور سیاسی حیثیت سے بھی اس کی اہمیت بالکل واضح ہے، تمام عرب ممالک حجاز مقدس، مکہ، مدینہ، لبنان، شام، مصر، طرابلس، الجزائر، تیونس، مراکش، بحرین، کویت وغیرہ وغیرہ چھوٹی بڑی بیسیوں ریاستیں عربی قوموں کی ہیں، عربی ممالک ہیں ان سے تعلقات قائم رکھنے کے لئے اور ان میں اسلامی نفوذ پیدا کرنے کے لئے عربی زبان کی کتنی شدید ضرورت ہے، ان ممالک میں جو عربی لٹریچر دینی اور سیاسی کتابیں ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو رہی ہیں رسائل واخبارات کا تو ٹھکانہ ہی نہیں، ان ممالک کو معلموں کی ضرورت ہے انجینئروں کی حاجت ہے، ڈاکٹروں کی ضرورت ہے، ان ممالک میں تجارت کے ذرائع پیدا کرنا کارخانے قائم کرنا ان ممالک میں عربی زبان میں اپنے سیاسی مقاصد ومفادات کی اشاعت کرنا انتہائی اہم وقتی تقاضے ہیں، ان سب کے لئے عربی زبان کی کتنی شدید ضرورت ہے، علاوہ ازیں ان ممالک عربیہ میں دنیا کی ثروت ودولت کا جو سیلاب آیا ہے اس سے بقیہ غیر عربی ممالک اسلامیہ کو مستفید ہونے کے لئے بھی عربی زبان کی کتنی اہمیت ہے؟ مشرقی دنیا میں انڈونیشیا جو مسلمانوں کی بڑی حکومت ہے وہاں عربی کو سرکاری



زبان کی حیثیت حاصل ہے، بقیہ اماموں مالک وابوحنیفہ واحمد بن حنبل کے نزدیک بھی عربی سیکھنا فرض کفایہ ہے، ادبی حیثیت سے بھی عربی کی خصوصیات بے حد لطیف مگر تفصیل طلب ہیں، کاش ہمارے ملک میں ہماری یونیورسٹیوں، کالجوں اسکولوں اور ان کے ارباب اقتدار کو اس طرف توجہ ہو جائے اور اسکی اہمیت محسوس کرنے لگیں۔

ہمارے اسلاف کرام کے علمی وفنی ذخائر علوم ومعارف کی حیرت انگیز ذخیرے تمام کے تمام عربی زبان میں ہیں، عالم اسلام اور عالم عربی کے اتحاد کے لئے عربی زبان ایک قوی رابطہ ثابت ہو سکتی ہے، ہمارے حکمران دین کے لئے نہیں اپنی سیاسی ودنیوی اغراض کیلئے ہی عربی زبان پر توجہ دیتے تو آج پاکستان اور عالم اسلام کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، بہر حال کہنا یہ ہے کہ عربی زبان کی عظمت واہمیت دینی سیاسی ادبی ہر جہت سے مسلّم ہے۔

## مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی طرف سے عربی مجلّہ جاری کرنے کی ضرورت

ہم سے تقاضا ہو رہا ہے کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی طرف سے کوئی عربی پرچہ بھی جاری کیا جائے، بہت کچھ سوچا لیکن ہماری دینی درس گاہوں کی کم ذوقی وغفلت، ہمارے طلبہ وعلماء کی بے حسی اور عربی زبان سے بے رغبتی یا عدم مہارت اس کی اجازت نہیں دیتی تاہم فی الوقت یہ ارادہ کرلیا ہے کہ بینات میں چار پانچ صفحے عربی مضامین کے لئے مخصوص کئے جائیں لیکن ساتھ ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی ہوتا کہ عربی اور ادبی ذوق کے مالک حضرات عربی سے لطف اندوز ہوں اور عام قارئین کرام اس کے ترجمہ سے محظوظ ہوں، اللہ تعالے توفیق عطا فرمائے آمین۔

## فقہ اسلامی کی جدید تدوین کی ضرورت

فقہ علم شریعت کا وہ علم ہے جس کا تعلق ہماری زندگی کے ہر شعبے سے ہے خواہ وہ عبادات ہوں یا معاملات، عقود ہوں یا معاہدات، حدود ہوں یا تعزیرات۔

جدید تمدن وتہذیب نے زندگی کے ہر شعبے میں تنے نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں، علماء امت کے ذمہ اب یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ قرآن کریم اور سنت نبویہ اور احادیث نبویہ اور فقہاء امت کی مدون کردہ فقہ کی روشنی میں جدید مسائل کا حل تلاش کریں۔

عبادات سے میری مراد وہ جدید مسائل ہیں جو نماز، روزہ، حج تقریباً ہر باب میں نئے نئے سوالات کے ساتھ پیدا ہو گئے ہیں، نماز ایک شخص اپنے صحیح وقت میں پڑھ لیتا ہے، اور جیٹ طیارے میں ایک ایسے ملک میں پہنچ جاتا ہے کہ ابھی نماز کا وقت داخل نہیں ہوا، کیا یہ نماز دوبارہ پڑھی جائیگی یا نہیں؟ نماز کا وقت آگیا ہوائی جہاز میں سفر ہو رہا ہے جہاں ہوائی جہاز پہنچے گا یا اترے گا نماز قضا ہو چکی ہوگی، یہ نماز ہوائی جہاز میں پڑھی جائے گی یا قضا کی جائیگی؟ عید کی نماز حجاز میں پڑھ لی پاکستان آکر ابھی ماہ رمضان باقی ہے یا مثلاً کسی ملک میں ماہ رمضان شروع ہو چکا ہے، وہاں کے حساب سے روزہ شروع ہو گیا ہے، دوسرے ملک میں پہنچا جہاں دو دن بعد روزہ شروع ہوتا ہے اگر سابق ملک کی اتباع کریگا تو ۲۸ روزے ہوں گے اور اگر آخری ملک کی اتباع کرے گا تو ۳۲ روزے رکھنے ہوں گے؟ یا حج کے بارے میں مثلاً میقات سے احرام باندھنا ہوتا ہے صحیح میقات کی محاذات کا تعین مشکل، اور محاذات کا مسئلہ ہوا میں مختلف مواقیت میں ہو سکتا ہے، یا کوئی شخص گلوکوز کا انجکشن لیتا ہے یا اور کوئی ایسا انجکشن جس سے بھوک و پیاس ختم ہو جائے، کیا یہ انجکشن مفسد صوم ہوگا یا حرام یا مکروہ یا موجب کفارہ؟ وغیرہ وغیرہ، الغرض زندگی کے ہر شعبے میں حتی کہ عبادات تک میں



نئی نئی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں، اس قسم کی خدمت کے لئے ممتاز علماء دین اور صالح متقی حضرات کی مشترکہ جدوجہد ہی سے کوئی قابل قبول وقابل اطمینان صورت نکل سکے گی، اگر نا اہلوں کو یہ انتظام سونپا گیا تو یہ دین کی تخریب ہوگی نہ کہ تعمیر۔

مقصد یہ نہیں ہے کہ جدید معاشرے میں جدید تمدن نے جو صورت حال پیدا کردی ہے اس کی خواہشات کی تسکین کے لئے نصوص قطعیہ کے مفاد میں ترمیم کی جائے اور فیصلہ شدہ متفقہ مسائل پر جدید اجتہاد کے نام سے عملی جراحی شروع کی جائے، زنا وشراب، سود وقمار، رقص وسرور، عریانی وبے حیائی وغیرہ وغیرہ کے لئے نصوص قطعیہ میں تحریف کرکے دین اسلام کے مسخ کرنے کی کوشش کی جائے بلکہ اسلام تو ایک کامل ترین نظام زندگی ہے جو اپنے خاص اصول پر ایک معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں اللہ ورسول کی اطاعت اس کا سرمایہ سعادت ونجات ہو، آخرت پر اس کا ایمان ہو، حرص وبخل ہر ذلت وبے حیائی وسے پاک ہو، خدا تعالے سے ایسا تعلق ہو کہ مخلوق خدا پر رحم کرے، ایک مسلمان کی جان اور اس کا مال وآبرو اس سے محفوظ ہو، جدید خدا فراموش تمدن کے ہاتھوں اور آبرو باختہ انسانوں کے قوانین کے ذریعہ جو مہلک نظام وجود میں آچکا ہے اگر آپ چاہیں کہ ان دونوں بالکل متضاد نظاموں میں کوئی درمیانی راستہ نکالیں تو:-

''ایں خیال است ومحال است جنوں''

سابق شعبہ جس کا تعلق ایمانیات واصول دین سے ہوگا اس شعبہ کا یہ فرض ہوگا کہ اسلام کی حقانیت کے عقلی دلائل وبراہین سے اسلام کی برتری ثابت کرے اور نظام اسلام کے صالح ثمرات سے دنیا کو آگاہ کرے اور جدید مہلک نظام کے تباہ کن اثرات کو دنیا پر واضح کرے، صحیح پاؤں کے لئے ایک قالب یا ایک سانچہ جو بنایا گیا اگر ٹیڑھا پاؤں اس میں فٹ نہ ہو تو سانچہ کا کیا قصور؟ آپ چاہیں کہ ماڈرن اسلام کا کوئی نسخہ ایسا تجویز کرلیں کہ

خواہشات نفس کا جدید نظام اس میں سما جائے تو اسلام کے ساتھ اس سے بڑھ کر دشمنی کیا ہوگی؟ الغرض جدید تدوین سے میری مراد یہ ہے کہ اسلام ایک مکمل دین ومذہب ہے جس میں نسل انسانی کے فطری صحیح تقاضوں کو پورا کیا گیا ہے، اگر فقہ اسلامی کے اجتہادی قوانین جن کا تعلق مخصوص عہد کے عرف سے ہو اور قرآن وسنت کی رہنمائی وہاں نہ ہو، یا ایسے مسائل ہوں کہ نسل انسانی انکے بغیر زندہ نہ رہ سکے اور سابق فقہ میں اسکا فیصلہ نہ ہوا ہو تو قرآن وسنت کے اصول کے پیش نظر اور فقہ اسلامی کی روح کی روشنی میں آپ فیصلہ کریں اور اسکا حل ڈھونڈھ نکالیں، مثلاً تجارت وخرید وفروخت اجتماعی زندگی کے لئے ایسا ضروری شعبہ ہے کہ کوئی حکومت یا دولت بغیر اسکے چل نہیں سکتی اور ظاہر ہے کہ آج کے دور میں کوئی ملک دنیا کے ملکوں سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا، درآمد وبرآمد کے بغیر کوئی ملک زندہ نہیں رہ سکتا، باہر کی دنیا میں غیر اسلامی زندگی رائج ہے جسکی بنیاد سود اور بیمہ پر ہے، نیز بلا سود بینک کا کوئی نظام آج کل چل ہی نہیں سکتا، تو ہمیں غور کرنا ہوگا کہ ایسا نظام تجارت سوچیں اور ایسا بینک قائم کریں کہ جو بغیر سود کے چل سکے، چاہے وہ مضاربت کے اصول پر ہو یا شرکت کے قانون پر ہو، نہ یہ کہ ہم یہ انداز فکر اختیار کریں کہ بینکنگ کے سود کو جائز ٹھہرائیں کہ یہ وہ سود نہیں جس کو اسلام نے حرام کیا ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ درحقیقت بینک کا سود ہی وہ بڑی لعنت ہے جس پر سرمایہ داری کی ساری عمارت کھڑی ہے اور یہ لعنت ہے جو اپنے رد عمل کے طور پر اشتمالیت واشتراکیت کا سبب بن رہی ہے، ''کیپٹل ازم'' ہی کے رد عمل سے دنیا میں ''کمیونزم'' کی بنیاد پڑ جاتی ہے، دنیا میں یہ طبقاتی تفاوت کہ ایک انسان نان شبینہ کے لئے محتاج رہے، اور دوسرا کروڑوں کا مالک بن بیٹھے، اس کا منشا سودی کاروبار نہیں تو اور کیا ہے؟

سرمایہ داریت میں فقراء ومساکین کے ساتھ ہمدردی وغم خواری کا جذبہ یکسر ختم ہو جاتا



ہے اور سود خور کے دل میں بے رحمی وقساوت پیدا ہو جاتی ہے، انسانی اخلاق کی جگہ بہیمانہ زندگی جنم لیتی ہے، اسکی وجہ سے پوری قوم اور ملک وملت کے سرمایہ ودولت پر چند سرمایہ داروں کا قبضہ ہو جاتا ہے، اسلئے قرآن کریم نے اتنا شدید اعلان فرمایا کہ اگر تم سود کو نہ چھوڑو گے تو تم سے اللہ اور رسول ﷺ اعلان جنگ کرتے ہیں، گویا سود خور قوم جہاد کی سزاوار بن جاتی ہے، سود خور اور سرمایہ دار کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، اسلئے حدیث میں آیا ہے کہ دو حریص ایسے ہیں کہ انکا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، علم کا حریص اور مال کا حریص، آج اگر قرض حسنہ کی بنیاد پر معاشرے کی تشکیل ہو اور سودی نظام کو ختم کیا جائے تو ''کمیونزم واشتراکیت'' خود بخود ختم ہو جائے گی۔

الغرض جدید تدوین فقہ میں اس پر غور کرنا ہوگا کہ موجودہ نظام تجارت کو سود سے کیسے پاک کیا جائے؟ نہ یہ کہ سود ہی کو جائز کیا جائے، اسلام کا منشا یہ ہے کہ دنیا کے سارے مادی نظام کی بنیاد روحانی نظام پر قائم ہو جس میں اخلاق اور انسانی ہمدردی کی روح کارفرما ہو، اگر روحانی رابطہ اس مادی نظام سے کٹ گیا تو سراسر فساد پیدا ہوگا، لہذا اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے دو بنیادی مقاصد ہونے چاہئیں، دین اسلام کے اصولی نظام کی حفاظت اور فروعی نظام کی جدید تشکیل، ہر مقصد کے لئے صحیح موزوں افراد کا انتخاب کرنا ہوگا ورنہ نااہلوں کو کام سپرد کرنے کے نتائج ظاہر ہیں، مصر کے ''مجمع البحوث الاسلامیہ'' میں جس طرح قدیم وجدید علماء کے اشتراک عمل سے کام ہو رہا ہے ہمیں بھی اسی انداز سے کام کرنے کی ضرورت ہے، جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہمارے ملک میں دینی تعلیمات سے بالکل بے خبر رہتا ہے اس لئے کہ ہماری تعلیم کی بنیاد دین پر نہیں، مصر وشام ان بلاد میں جدید تعلیم یافتہ طبقہ آٹھ سال تک جس تعلیم سے بہرہ ور ہوتا ہے اس کی بنیاد دین اسلام پر ہے، اسلئے وہ دینی معلومات اور اسلامی تعلیمات سے بڑی حد تک باخبر رہتا ہے، آئندہ کالجوں اور

یونیورسٹیوں میں جا کر البتہ کسی شعبے کو اختیار کر لیتا ہے لیکن دینی معلومات سے بقدر ضرورت واقفیت ہوتی ہے، افسوس کہ ہمارے ملک میں اب تک جو نظام تعلیم رائج ہے وہ بالکل اس سے مختلف ہے، اسلئے ہمارے قدیم طرز کے علماء اور جدید تعلیم یافتہ حضرات میں قدر مشترک مفقود ہے جس کی وجہ سے اختلاف کی خلیج زیادہ وسیع ہوگئی ہے۔

بہر حال ہمارے ملک میں بڑی ضرورت ہے کہ فقہ اسلامی کی جدید تدوین کے ذریعہ جو قرآن وسنت اور حضرت حق جل ذکرہ اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے منشأ کے مطابق صالحین کے موروثہ اثاثہ کی روشنی میں کی جائے، جدید پیدا شدہ مسائل کا حل تلاش کر کے فیصلہ کر دینا چاہیئے، تا کہ دین اسلام کا مضبوط اور حسین وجمیل قلعہ قیامت تک اعداء اور اغیار کے حملوں سے محفوظ رہے، مشکل سب سے بڑی یہ ہے کہ ہم یورپ کے جدید معاشی واقتصادی نظام اور معاشرتی نظام کو پہلے ہی سے اپنا لیتے ہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ جوں کا توں یہ پورا نظام اسلام کے اندر فٹ ہو جائے، یہ کیسے ممکن ہے؟ اسلئے کہ جس معاشرے کی بنیاد میں نہ عفت ہو نہ عصمت، نہ حیا ہو نہ شرم، نہ حلال وحرام کی تمیز ہو، مرد وعورت کا آزادانہ اختلاط ہو، کلبوں اور سینماؤں کی دنیا ہو، شراب وقمار کا مشغلہ زندگی کا جزء لاینفک بن چکا ہو، سودی کاروبار تجارت کا جزء ہو، اسکا اللہ تعالے کے اس قانون سے کیا جوڑ لگ سکتا ہے؟ جہاں حیاء کو ایمان کا جزء بتلایا گیا ہو، غض بصر کا حکم ہو، شہوانی زندگی پر پابندی ہو، زنا وشراب پر درے لگنے کا حکم ہو یا سنگسار کرنے کا قانون ہو، پردہ اور حجاب کا حکم ہو، مرد وعورت کے اختلاط کی ممانعت ہو، شہوت کی نگاہ کو مسموم تیر سے تشبیہ دی گئی ہو، الغرض جس معاشرے کے کمالات وتمدن کے طریقے وہاں جرائم ہوں تعزیرات وحدود اس پر لگائے گئے ہوں دونوں میں کیسے مصالحت ہو سکتی ہے؟ اسلئے خدائے تعالیٰ کی اس آخری نعمت دین اسلام کے صالح نظام کی حفاظت جوامت کے ذمہ فرض ہے، اگر آپ کا ادارہ جسکو مالی ومادی



ہر طرح کے وسائل حاصل ہیں، یہ خدمت انجام دے سکے تو دنیا میں بھی اس کی عزت ہوگی اور آخرت میں اللہ تعالے کی قبولیت کی خلعت سے سرفرازی ہوگی، نیز اسکی ضرورت ہے کہ ادارہ تحقیقات اسلامی موجودہ نظام تعلیم کی اصلاح کے لئے بھی قدم اٹھائے اور میٹرک تک تعلیمی نظام میں تعلیمات اسلام کا اتنا حصہ آجائے کہ اگر آگے چل کر تعلیم دین نہ حاصل کر سکے تو تب بھی سچا وپکا مسلمان رہ سکے، اس ادارے کے ڈائرکٹر کا پہلا فرض یہ ہے کہ صحیح مقاصد متعین کرنے کے بعد ادارے میں صالح ومتقی، باکمال اشخاص وافراد کا تقرر کرے جن میں ان مقاصد کی تکمیل کی پوری اہلیت اور جذبہ ہو، افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری کرم فرما حکومت نے ایک اعلیٰ ترین خدمت اور اونچے منصب کیلئے مشاورتی کونسل قائم کردی لیکن جن افراد کا انتخاب اسمیں کیا گیا ہے اس میں سے اکثر اس کی اہلیت سے عاری ہیں بلکہ بعض تو وہ افراد ہیں کہ اسلامی نظام کے ساتھ ان کا علاقہ ورابطہ وہی ہے جو مستشرقین اعداء اسلام کا اسلام کے ساتھ ہے، موجودہ وقت کا سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ ارباب حکومت اور علماء امت میں کوئی رابطہ نہیں ہے بلکہ جانبین میں بے اعتمادی بلکہ بداعتمادی کے خیالات جاگزیں ہیں، ''ادارہ تحقیقات اسلام'' کو اسطرف بھی توجہ کرنی چاہیئے کہ یہ فتنہ ختم ہو جائے، نہ یہ کہ اسکی پرورش ہوتی رہے۔

(ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ)

## عصر حاضر کے جدید مسائل اور علماء کے فرائض

بینات ''۳ و ۴'' ج ۲ میں عصر حاضر کے مسائل کے بارے میں کچھ عرض کیا تھا کہ عہد حاضر کے علماء امت کے ذمہ جو اہم فریضہ عائد ہوتا ہے وہ جدید مسائل کی عقدہ کشائی ہے، غنیمت ہے ابھی تک خال خال علم فقہ کے علماء وماہرین کچھ موجود ہیں، ضرورت ہے کہ انکی

حیات میں جدید مسائل کا حل تلاش کرلیا جائے تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں اس بارگراں سے سبکدوش ہوں اور حدیث نبوی ﷺ:

"اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوساءً جُهّالاً فَسُئِلُوْا فَافْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ ، فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا"

(ترجمہ: ایسا زمانہ آئیگا کہ جاہل ارباب فتوی ہوں گے بغیر علم کے فتوی صادر کرینگے خود بھی گمراہ ہوں گے اوروں کو بھی گمراہ بنائیں گے) کے مصداق نہ بنیں، جس وقت یہ خیال آیا تھا اور ''بینات'' میں علماء امت کے سامنے لمحہ فکریہ پیش کیا تھا ٹھیک اسی وقت ہندوستان کے ارباب علم وفضل کے حلقہ میں بھی یہی موضوع زیر بحث تھا، چنانچہ ''مجلس تحقیقات شرعیہ'' کے نام سے ''ندوۃ العلماء'' میں ایک علمی مجلس کی تشکیل وجود میں آچکی ہے اور کام بھی شروع ہوگیا ہے اسلئے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے شعبہ تصنیف وتالیف نے بھی ان سے رابطہ قائم کرلیا ہے، انشورنس (بیمہ) کے مسائل سے مجلس نے افتتاح کیا ہے اور ایک سوالنامہ شائع کیا ہے، سوالنامے سے قبل بطور تمہید بیمہ کی حقیقت اور اسکی قسمیں تفصیل سے بیان کی ہیں تاکہ علماء کو سوال کی حقیقت سے پوری واقفیت حاصل ہوجائے تاکہ علی وجہ البصیرت اسکی روشنی میں علمی وفقہی مسائل پر غور کرکے حل پیش کرسکیں، ہم ان حضرات کے ممنون ہیں کہ انکی توجہ سے منقح سوالنامہ سامنے آگیا، اب ''بینات'' کے پڑھنے والے اہل علم حضرات بھی اس مسئلہ کا حل پیش کرسکیں گے، اسلئے تمہید وسوالات دونوں شائع کئے جارہے ہیں اور جو جواب بینات کی طرف سے ہوگا آئندہ شمارہ میں وہ بھی شائع کیا جائیگا، واللہ الموفق۔

## جدید فقہی مسائل اور چند رہنما اصول

بینات کے گذشتہ شمارے میں حضرات علماء کرام کی خدمت میں جوگذارش کی گئی تھی، اس کے پیش نظر بطور رہنما اصول کے مزید گذارش یہ ہے کہ:



۱- یہ تو ظاہر ہے کہ اسلام وہ آخری پیغام حیات وپیغام نجات ہے جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے قانون ہدایت ہے اور ہر دور، ہر ملک، ہر قوم کیلئے اس میں ہدایت کے سرچشمے موجود ہیں، مادی وروحانی، شخصی واجتماعی، اقتصادی ومعاشی، ملکی وسیاسی، غرض ہر ضرورت کی حاجت روائی کا سامان اس میں موجود ہے، اور اس کا دامن ایسے بیش قیمت جواہرات سے پُر ہے کہ سارے عالم کے افلاس کا علاج اسکے خزانہ عامرہ سے ہوسکتا ہے، یہی ایک ایسا صالح ترین واعلی ترین نظام ہے جو نسل آدم میں عدل وانصاف ہر مشکل کو آسان کرسکتا ہے۔

۲- قرآن وحدیث یا کتاب وسنت اسکا بنیادی سرمایہ ہیں، خلافت راشدہ بالخصوص عہد صدیقی وعہد فاروقی اور اسکے بعد عہد اموی اور عہد عباسی میں صحابہ وتابعین اور پھر ائمہ اجتہاد وائمہ اربعہ ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد رضی اللہ تعالے عنہم اور انکے اقران میں سفیان ثوری، اوزاعی وغیرہ مجتہدین امت وفقہاء اسلام کی مساعی جمیلہ ومبارکہ سے دین اسلام کی تعمیر وتعبیر کا عجیب وغریب نقشہ کامل ترین خوشنما صورت میں محفوظ ہوگیا، ان اکابر امت اور فقہاء ملت میں اللہ تعالے نے عظیم ترین اخلاص، اعلی درجہ کا تقوی وخشیت الہی، علوم دینیہ میں تبحر، دقت نظر، توقد وذکاء کے جو کمالات جمع کئے تھے اس وقت کی نسل اسکا ادراک بھی نہیں کرسکتی، قرآن وحدیث کا علم صحیح اور دین اسلام کی مزاج شناسی کا ذوق جو انکو نصیب تھا آج اسکا احساس بھی مشکل ہے، اور انہی کمالات کا نتیجہ ہے کہ ایک ہزار برس سے زیادہ عرصہ گذرا لیکن انکا فیض برابر جاری ہے، اور قلوب میں ان کی عظمت اور قدر وقیمت ہنوز موجود ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قیامت تک آنے والے انکی منت پذیری سے بے نیاز نہیں ہوسکتے اور نہ اس عظیم سرمایہ سے امت کسی وقت مستغنی ہوسکتی ہے۔

۳- فقہ اسلامی کا یہ ذخیرہ ہمارا بڑا قیمتی سرمایہ ہے اور جہاں اسکی حفاظت کی ضرورت

ہے ساتھ ہی ساتھ اس پر عمل کرنا اور اس سے منتفع ہونا بھی ہمارا فرض ہے، منتفع ہونے سے
میرا مقصد یہ ہے کہ جدید تمدن نے جو بہت سے جدید مسائل پیدا کر دیئے ہیں اب اسی فقہ
اسلامی کی روشنی میں اسکا حل تلاش کرنا چاہیے، اس سرمایہ کے ہوتے امت کو نہ جدید مستقل
اجتہاد کی ضرورت ہے اور نہ اسکا امکان، اس عظیم الشان ذخیرہ میں بحث وتلاش اور غور
وخوض کے بعد جدید مسائل کے حل کرنے کا بہت سامان مل جائے گا، ورنہ زیادہ سے زیادہ
بعض جزوی مسائل میں علماء امت کو ان ہی کے بتائے ہوئے اصولوں پر جدید اجتہاد کی
ضرورت ہوگی۔

۴۔گذشتہ شمارے میں جو معجم طبرانی کی حدیث پیش کی تھی اس سے حسب ذیل نتائج
برآمد ہوتے ہیں:-

(الف) جدید مسائل ایسے ضرور پیدا ہوں گے جن میں قرآن وحدیث کا صاف
وصریح فیصلہ نہ ہوگا۔

(ب) علماء امت کے ذمہ یہ فرض عائد ہے کہ اسکا حل پیش کریں۔

(ج) علماء انفرادی رائے اور شخصی رائے سے اجتناب کریں اور باہمی مشورہ سے اسکا
فیصلہ کریں۔

(د) ان علماء میں دو شرطیں ضروری ہیں:

(۱) ان کے دلوں میں خوف خدا ہو۔

(۲) اور تفقہ فی الدین انکو حاصل ہو۔

اس حدیث نبوی نے ان علماء امت کو جدید مسائل کے فیصلہ کرنے کا مکلف بنایا ہے
جن میں اخلاص وتقوی اور عبادت گذاری کی روح موجود ہو، اور غور وخوض وباہمی مشورہ
کرنے کی اہلیت ہو۔



۵۔اس میں شک نہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ جو بقول امام شمس الدین
ذہبی فقیہ ملت ہیں اور بقول صفی الدین خزرجی فقیہ امت ہیں، انکی فقہ جامع ترین فقہ بلکہ
اسلام کی روح ہے کہ جسکی روشنی میں بقیہ ائمہ نے اپنی اپنی فقہ کی ترتیب وتدوین کی ہے، امام
ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جو مسائل اپنے اصحاب وتلامذہ کو املاء کروائے ہیں انکی تعداد صاحب
''عنایہ شارح ہدایہ'' نے چوتھی صدی کے ایک محقق کے قول کے مطابق بارہ لاکھ ستر ہزار سے
زائد بتلائی ہے، اگر امت کو یہ سارے مسائل پہنچ جاتے تو شاید بہت سے جدید مسائل حل
ہو جاتے، فقہ حنفی کی اسی ہمہ گیری کو دیکھ کر مشہور محقق مؤرخ ابن خلدون باوجود مالکی المذہب
ہونے کے اس کا اعتراف کرتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ کی سرزمین اسلامی تہذیب
وتمدن کا گہوارہ تھی، اسلئے جو پختگی حنفی فقہ کو نصیب ہوئی وہ فقہ مالکی کو نصیب نہ ہوئی، اور شاید
یہی وجہ ہے کہ امام شعرانی شافعیؒ اپنی کتاب ''المیزان'' میں اپنے اس کشف کا ذکر کرتے ہیں
کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب سب مذاہب سے آخر تک رہے گا جسکا صاف مطلب یہ ہے کہ اس
مذہب میں اسکی زیادہ اہلیت ہے کہ جدید نظام کے مسائل پوری طرح حل کر سکے، تاہم بہت
سے مسائل ایسے ملیں گے اور ہیں جنکا ذکر موجودہ فقہ حنفی کے اس عظیم الشان ذخیرہ میں نہیں
ملتا اور فقہ شافعی اور فقہ حنبلی میں مل جاتا ہے۔

## فقہ مذاہب اربعہ کی روشنی میں جدید مسائل کا حل تلاش کرنا چاہیے

اسلئے اس سلسلہ میں جو بات فکر ناقص میں آئی ہے وہ عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں
اور علماء امت کی خدمت میں درخواست کروں گا کہ اگر وہ صحیح نہ ہو تو ضرور اپنی مخلصانہ تنقید
سے سرفراز فرمائیں، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

٦ - "مبسوط" ، "بدائع الصنائع"، "قاضی خان" سے لیکر "الطحطاوی" "الدر المختار" "رد المحتار" اور "التحریر المختار" تک کتب فقہ حنفی کی ورق گردانی کرنے کے بعد بھی اگر مسئلہ ہاتھ نہ آئے تو امہات کتب مذاہب ثلاثہ کی ورق گردانی کرنی ہوگی ، فقہ مالکی میں "مدونہ کبری" سے لیکر "حطاب" تک۔

اور فقہ شافعی میں "کتاب الام" سے لیکر "تحفة المحتاج" تک کی مراجعت کرنی ہوگی ،حکومت سعودی کی عنایت وتوجہ سے فقہ حنبلی کا عظیم الشان ذخیرہ طبع ہوکر امت کے سامنے آگیا ہے اس کیلئے "مغنی ابن قدامہ"، "المحرر" اور "الانصاف" کی ورق گردانی کافی ہوگی ، الغرض اگر مسئلہ مطلوبہ ان کتب میں مل جائے تو اس پر فتوی دے دیا جائے ، جدید اجتہاد کی ہرگز ضرورت نہیں اور اگر مسئلہ صراحۃً نہ ملے تو ان مسائل مصرحہ پر قیاس کرنے میں مضائقہ نہ ہوگا ، بشرطیکہ قیاس مع الفارق نہ ہو جسکا فیصلہ خود علماء کرام فرمائیں گے کہ یہ قیاس کس درجہ میں ہے۔

٧- اگر مسئلہ مطلوبہ سب فقہاء کے ہاں ملتا ہے لیکن حنفی مذہب میں دشواری ہے اور بقیہ مذاہب میں نسبتاً سہولت ہے اور عوام کا عام ابتلاء ہے تو اخلاص کے ساتھ جماعت اہل علم غور کرے اگر ان کو یقین ہو جائے کہ عموم بلویٰ کے پیش نظر عصر حاضر میں دینی تقاضا سہولت وآسانی کا مقتضی ہے تو پھر مذہب مالک ، مذہب شافعی ، مذہب احمد بن حنبل کو علی الترتیب اختیار کرکے اور اس پر فتوی دے کر فیصلہ کیا جائے۔

ہمارے عصر حاضر کے اکابر نے فسخ نکاح کی مشکلات کو اسی طرح حل کیا ہے اور متاخرین حنفیہ نے مسئلہ "مفقود الخبر" میں بھی ایسا ہی کیا ہے، البتہ تلفیق سے احتراز کرنا ضروری ہوگا اور تتبع رخص کو مقصد نہ بنایا جائے گا۔



مثلاً مسائل معاملات میں "بیع قبل القبض" ہے کہ آج کل تمام تاجر طبقہ اسمیں مبتلا ہے، اب اس کی صورتحال پر غور کرکے پوری طرح جائزہ لیا جائے کہ اگر یہ ابتلاء واقعی ہے اور موجودہ معاشرہ مضطر ہے اور بغیر اسکے چارہ کار نہیں تو مذہب مالکی پر فتوی دے دیا جائے کہ عدم جواز بیع قبل القبض مطعومات کے ساتھ مخصوص ہے، اس مسئلہ میں مذہب حنبلی بھی مذہب مالکی جیسا ہے اور حدیث میں صراحۃً طعام ہی کا ذکر ہے:

"نَهَى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الطَّعَامِ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوْفِيَه"

[سنن]

امام ابو حنیفہ وامام شافعی رحمہما اللہ نے طعام پر بقیہ چیزوں کو قیاس کرکے منع کردیا ہے۔

٨- خلافیات ائمہ میں اس پر غور کرنا ہوگا کہ اختلاف کا منشا نصوص کا تعارض ہے یا قواعد فقہیہ کا اختلاف ، یا یہ محض اجتہادی وجوہ کی وجہ سے ہے، اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی جو الہامی رائے "فیوض الحرمین" میں منقول ہے کہ ائمہ احناف کے اختلافات میں ترجیح کا معیار کیسے قائم کیا جائے؟ اس کو پیش نظر رکھنے سے موجودہ خلافیات میں رہنمائی مل سکے گی ، نیز اختیارات علماء کا سلسلہ جو مختلف ادوار میں جاری رہا اسکو نظیر بنایا جاسکے گا ، مثلاً تعلیم قرآن پھر اذان وامامت ، پھر تدریس حدیث وعلوم دینیہ پر معاوضہ یا مشاہرہ لینے میں قدماء ومتاخرین کے زمانوں کے اختلاف کی وجہ سے جو اختلاف رہا یہ سب باتیں پیش نظر رکھنی ہوں گی۔

٩- جن مطلوبہ احکام کا فیصلہ کرنا ہوگا ان میں طبقات ومراتب قائم کرنے ہوں گے اور یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ مسائل موجودہ معاشرے کیلئے کس درجہ میں مطلوب ہیں؟ کیا ان کے بغیر نظام نہیں چل سکتا؟ یا چل تو سکتا ہے لیکن کسی قدر دقت پیدا ہوگی؟ پھر اس وقت پر غور کرنا

ہوگا کہ وہ وقت کس درجہ کی ہے؟

۱۰- معاملات میں فیصلہ کرنے کیلئے سب سے پہلے موجودہ ملک کے بارے میں فیصلہ کرنا ہوگا کہ فقہی اصطلاح کے اعتبار سے یہ ملک ''دارالاسلام'' ہے یا ''دارالایمان''، یا ''دارالحرب'' ہے۔

دارالاسلام کا اصلی مدار فصل خصومات (عدالتی فیصلہ) پر ہے کہ پورا قانون تعزیرات وحدود، محاکم شرعیہ عدلیہ قائم ہوں اور معاملات وعقوبات کا قانون مکمل اسلامی ہو تعزیرات وحدود وقانون اسلامی کے مطابق جاری ہوں اسی طرح موجودہ نظام حکومت کا جائزہ لینا اور اس پر غور کرنا ہوگا کہ یہ کس قسم کی حکومت ہے؟ اسلامی قانون کے نفاذ پر صرف قدرت ہی کافی ہے، یا عملی طور پر اسکی تنفیذ بھی ضروری ہے؟ عرصہ دراز تک باوجود قدرت قانون اسلام جاری نہیں کیا گیا تو اسکے عوامل واسباب کیا ہیں؟ اور سابقہ ''دارالحرب'' یعنی عہد برطانوی کا ''دارالحرب'' تقسیم ہوکر دو حصے بنے، ایک حصہ یقیناً اب بھی ''دارالحرب'' ہے، اور دوسرا حصہ صرف حکمرانوں کی تبدیلی سے کیا ''دارالاسلام'' بن جائے گا؟ یعنی قانون تو نہیں بدلا مگر قانون کے چلانے والے بدل گئے تو کیا اس لئے حکم بدل جائے گا؟ پھر جبکہ عہد حاضر میں عائلی قوانین کے نام سے صراحۃً کتاب وسنت کے خلاف قانون بنایا گیا تو کیا صریح خلاف قرآن قانون بننے کے بعد بھی فقہاء اسلام کے مسائل کے مطابق یہ ''دارالاسلام'' ہی رہے گا؟ الغرض اس امر کے فیصلہ کرنے کے بعد معاملات کا شرعی فیصلہ ممکن ہوسکے گا، عقود فاسدہ، ربا، بیمہ ان سب مسائل کے صحیح حل کرنے کیلئے اس ملک وحکومت کے متعلق شرعی وفقہی فیصلہ کرنا ہوگا اور یہ غور کرنا ہوگا کہ موجودہ حزب اقتدار آخر اسلامی قانون کے نافذ کرنے سے گریز کیوں کرتا ہے؟ کیا صرف اسلئے کہ ان کی نفسیاتی خواہشات کی تکمیل میں یہ قانون حائل ہے؟ یا وہ عقیدۃً اسلامی قانون کو موجودہ زمانے کے



لئے غیر صالح اور ناکافی سمجھتا ہے، ان سب گوشوں پر غور کرنا اور ان سب حالات کا جائزہ لینا ہوگا جب جاکر صحیح فیصلہ ہوسکے گا اور جب اس حکومت یا اس ملک کی فقہی وشرعی حیثیت متعین ہوجائے گی تو پھر ان معاملات کے احکام کا صحیح فتوی دیا جاسکے گا جن کا حکم اختلاف دار سے مختلف ہوسکتا ہے۔

یہ چند مختصر اشارے ہیں جنکی حیثیت ایک مختصر متن کی ہے اور اسکی تشریح ایک مفصل مضمون کی محتاج ہے، لیکن چونکہ اصلی مخاطب علماء کرام ہیں انکی خدمت میں یہ اشارات بھی کافی ہوں گے۔

میری خواہش ہے کہ علماء کی خدمت میں ان موضوعات کو بھی آئندہ پیش کیا جائے جن پر ان کو غور کرنا ہوگا اور جب تک اجتماعی فیصلہ کا موقع نہ آئے، اس سے پہلے انفرادی طور پر ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش انہی اصول کے پیش نظر کریں، مقصود تین باتیں ہیں:۔

(الف) اللہ کا یہ دین کامل اور ہر معاشرے کیلئے صالح وموزوں ہے۔

(ب) اسلام کو مشکل سمجھ کر اور ناممکن العمل خیال کرکے اسلام کو ختم کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

(ج) جو فریضہ علماء امت کے ذمہ ایسے حالات میں عائد ہوتا ہے ان سے سبکدوش ہوجائیں نہ جدید اجتہاد کا دروازہ کھولنا ہے نہ تتبع رخص پر قوم کو آمادہ کرنا ہے نہ ترک تقلید کی بنیاد رکھنا ہے، بلکہ یہ سمجھنا ہے کہ قرآن وسنت اور اسکے بعد فقہ اسلامی اور تفقہ فی الدین کے ذریعہ سارے مشکلات کا حل ہوسکتے ہیں اور فقہاء اسلام اور فقہ اسلامی سے بے نیاز ہوکر دین اسلام کی حفاظت کی تدبیر طفلانہ خیال ہے، فقہاء کرام نے دین کی بڑی خدمت کی ہے، ایک ہزار برس کے بعد بھی دنیا انکی جلیل القدر حیرت انگیز خدمات سے مستغنی نہیں ہوسکتی ہے بلکہ قیامت تک انکی منت پذیر رہے گی۔

﴿الدِّينُ النَّصِيحَةُ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُوْلِهِ
وَ لِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ عَامَّتِهِمْ﴾

[مسلم عن تمیم الداری]

(ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ، ستمبر ۱۹۶۳ء)

## قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں جدید مسائل کا حل کرنا علماء کی ذمہ داری ہے

یوں تو آئے دن اتنے علمی و عملی فتنے ظاہر ہو رہے ہیں کہ جنھیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس کس کا جواب دیا جائے؟ اور کس کس کی طرف توجہ کی جائے؟

"تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم"

فتنوں کا ایک سیلاب ہے کہ امنڈا چلا آرہا ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں جا کر رکے گا؟ رسائل ہیں، اخبارات ہیں، ریسرچ کے انسٹی ٹیوٹ ہیں، ثقافت کے ادارے ہیں، کہیں تعمیر نو کے نام پر تخریب دین ہے، کہیں عقائد اسلامیہ پر حملے ہیں، کہیں احکام شرعیہ سے انکار ہے، کہیں انکار سنت پر زور ہے، کہیں تحریف قرآن کا فتنہ ہے، کہیں جواز سود و تحلیل خمر کے فتوے ہیں، کہیں رقص و سرود کو جائز کرنے کے لئے تحقیقات ہو رہی ہیں، کہیں تعزیرات و حدود پر ہاتھ صاف کیا جا رہا ہے، کہیں سلف صالحین سے بدظن کرانے کی مذموم کوشش ہو رہی ہے، کہیں اسلامی نظام کی ناکامی کے دلائل پیش کئے جا رہے ہیں، الغرض کہیں مستشرقین مصروف عمل ہیں تو کہیں ملاحدہ و زنادقہ اسلام سے برسر پیکار ہیں، اندر، باہر، عوام و خواص، راعی و رعیت سب ہی کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی اس آخری نعمت کو تباہ کرنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے، مقصد حیات صرف مادی آسائش ہے، نہ آخرت کا تصور، نہ حساب و کتاب کی فکر، سارے نظام کا محور صرف پیٹ ہے اور بس، اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ جن حضرات میں ان فتنوں کے دفاع کی صلاحیت و اہلیت ہے وہ یا تو بالکل غافل و خاموش ہیں یا انکے وسائل اتنے محدود ہیں کہ اگر کچھ کرنا چاہیں بھی تو نہیں کر سکتے۔

فانا للہ و انا الیہ راجعون

مَصَائِبُ شَتّٰی جَمَعَتْ فِیْ مُصِیْبَةٍ
وَلَمْ یَکْفِهَا حَتّٰی قَفَتْهَا مَصَائِبُ

ترجمہ: کتنے ہی منتشر مصائب ایک مصیبت میں آکر جمع ہو گئے، اور اس پر بھی بس نہیں بلکہ روز نئی نئی مصیبتیں آرہی ہیں۔

علماء امت کے ذمہ جہاں اور فرائض عائد ہوتے ہیں وہاں عصر حاضر کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی بھی ان ہی کے ذمہ ہے کہ موجودہ دور کے تمدن وتہذیب نے جونت نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں ان پر غور کر کے ان کا حل تلاش کیا جائے، آج کل کا نیا طبقہ اپنی ناواقفیت کی بنا پر اس خیالِ خام میں مبتلا ہو گیا ہے کہ اسلام کا قدیم نظام یا قدیم اسلامی فقہ موجودہ معاشرے کی مشکلات کے حل کیلئے کافی نہیں، لیکن اگر ذرا غور کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہمارے نظام کے دو حصے ہیں۔

ایک حصہ وہ ہے جو قرآن وسنت کی صریح نصوص سے ثابت ہے یہ تمام تر اس علیم وقدیر اور حکیم وخبیر "رب العالمین" کا ابدی اور دائمی قانون ہے جسکا علم بھی ہر شے کو محیط ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ قیامت تک جو آنے والی نسلیں ہیں ان میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہوں گی اور اسکی قدرت بھی کامل ہے، چنانچہ اس نے اپنے علم محیط اور قدرت کاملہ سے قیامت تک پیدا ہونے والی تمام امراض روحانی کے لئے ایسا نسخہ شفا اتارا ہے کہ جسمیں نہ کسی ترمیم واصلاح کی گنجائش ہے نہ کسی ادنی سی تبدیلی کی۔

دوسرا حصہ وہ ہے جو علماء امت اور مجتہدین عظام نے قرآن کریم وسنت نبویہ سے استخراج واستنباط کر کے مرتب فرمایا ہے اسکے مختلف مراتب اور مختلف ادوار ہیں، معاملات اور معاشرت میں بہت سے احکام ایسے بھی ہیں کہ جن کا تعلق اس عہد سے تھا، مجتہدین امت کو اللہ تعالی جزائے خیر دے، پہلے ہی ایسے اصول وقواعد کی روشنی میں آئندہ ہر قسم کی



مشکلات حل ہو سکیں گی، ظاہر ہے کہ جتنا تمدن ترقی کرے گا اتنے ہی جدید مسائل پیدا ہوں گے اور غیر اسلامی ملکوں سے تعلقات وروابط جتنے زیادہ پیدا ہوں گے نئے نئے مسائل سے واسطہ پڑتا رہے گا، مسلمانوں میں اب بھی ایک بہت بڑا طبقہ ایسا موجود ہے کہ اگر تجارت ومعاملات میں اسلامی اصول کی روشنی میں انکے مشکلات کو حل کر دیا جائے اور فقہی قوانین سے انکو ایسی تدابیر بتلا دی جائیں کہ جنکی بنا پر وہ شرعی حدود کے دائرہ سے باہر قدم نہ نکال سکیں تو نہایت خوشی سے اس پر لبیک کہیں گے اور بدل وجان ان تدابیر پر عمل کریں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت علماء امت کے ذمہ یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ جس طرح ہمارے اسلاف نے اپنے اپنے زمانے میں حوادث وواقعات اور نوازل کے عنوان سے روز مرہ کے نت نئے پیش آنے والے مسائل کو یکجا کیا، اور پھر قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں انکو حل کیا، ٹھیک اسی طرح موجودہ فقہاء بھی جدید نوازل وواقعات کا حل قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں تلاش کریں، جدید تمدن سے بھی فقہ کے ہر باب میں نماز روزہ سے لیکر معاملات ومعاشرت تک جدید سوالات پیدا ہو گئے ہیں، اس لئے علماء امت کے ذمہ اب یہ فرض ہے کہ جلد سے جلد ان نئے پیدا ہونے والے مسائل کے مفصل جوابات امت کے سامنے پیش کر کے مسلمانوں کے دیندار طبقہ کو مطمئن فرمائیں، اور جدید نسل کو باور کرائیں کہ دین اسلام میں ہر وقت کے صحیح تقاضے کو پورا کرنے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے اور ہماری شریعت زمان ومکان کے قیود سے بالاتر ہے، بینات کے آئندہ شمارے میں انشاء اللہ ایک اجمالی فہرست ان مسائل کی پیش کر کے اس سلسلہ میں اہل علم کی خدمت میں چند رہنما اصول بھی پیش کروں گا تا کہ ان کی روشنی میں غور وخوض کر سکیں۔

بلاشبہ یہ فرض ایک اسلامی حکومت کا تھا کہ وہ وقت کے جامع ترین علماء اور قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کے ایسے ماہرین کو جن کا تقوی واخلاص مسلّم ہو، جن کے تدین پر

امت کو اعتماد ہو، جن کی زندگیاں قال اللہ وقال الرسول میں گذری ہوں جن کے ذہنوں
میں تو قد وذکا ہو جن کی طبیعتوں میں استقامت واستقلال ہو، جو خواہشات وتاثرات سے
بالاتر ہوں جن کے دلوں میں مخلوق خدا کا درد ہو، جو دنیا کی مشکلات سمجھنے کا سلیقہ رکھتے ہوں
اور جن میں مؤثر تعبیرات اور عام فہم تحریر کا ملکہ ہو، ان کو کسی ایک مرکز میں جمع کرتی اور انکی
رفاقت میں عصر حاضر کے دیندار قانون دان طبقہ کو شامل کرتی اور فقہ اسلامی کے شعبہ میں
تمام ممالک اسلامیہ میں اب تک جتنا کام ہوا ہے وہ سب انکے پیش نظر ہوتا خواہ وہ مصر
وشام میں ہوا ہو یا مغرب اقصیٰ کے ممالک میں، اور پھر اس طرح قدیم وجدید سے فقہ
اسلامی کی مہارت ومعلومات رکھنے والے حضرات اس کام کو اپنے ہاتھوں انجام دیتے لیکن

''اے بسا آرزو کہ خاک شد''

افسوس کہ حکومت پاکستان ''ادارہ اسلامیات کراچی'' وغیرہ پر سالانہ لاکھوں روپیہ
خرچ کر رہی ہے مگر اس امر پر اس کی توجہ نہیں، ان اداروں میں ایک بھی نہ متدین عالم ہے
نہ اسلامی علوم کا ماہر خصوصی، بجائے اس کے کہ وہ کچھ کام کرتے ان کا وجود انکی کوششیں خود
دین اسلام کے لئے عظیم الشان فتنے کی صورت اختیار کر چکی ہیں:

فیا غربة الاسلام و یا خیبة المسلمین!!

موجودہ صورت حال میں جب حکومت اس طرف متوجہ نہیں تو پھر دیندار ومالدار طبقہ
کو چاہیے تھا کہ اس خدمت کو بجالانے کیلئے کوئی اقدام کرتے اور علماء کے مشورہ سے اس
مقصد کے پیش نظر اہل افراد کا انتخاب کر کے فکر معاش سے انکو ہر طرح مطمئن کرا کر اسی کام
کے لئے فارغ کرتے، اور اس طرح ایک مجلس الفقہاء والعلماء کی تشکیل ہوتی کہ جس میں
محققین اہل علم باہمی مشاورت ا. بحث وتمحیص سے ان مسائل کو حل کرتے، شخصی رائے
کتنے ہی غور وخوض کے بعد قائم ہو پھر بھی وہ شخصی رائے ہی رہے گی، ان مشکلات کے حل



کے لئے اجتماعی جد وجہد کی ضرورت ہے، اکابر صحابہ کے بعد حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی
پہلی شخصیت ہے جس نے اجتہادی مشکلات کے حل کرنے کیلئے اپنے وقت کے ممتاز ترین
چالیس افراد پر مشتمل ایک جماعت کی تشکیل کی اور ایک طویل مدت تک فقہی مسائل کے
استنباط اور اجتہادی احکام کی تدوین کی خدمت انجام دیتے رہے، اسی لئے جو پختگی اور قبول
عام اس مذہب کو ہوا اور کسی مذہب کو نصیب نہیں ہوا، چنانچہ خلافت عباسیہ سے لیکر خلافت
عثمانیہ کے اختتام تک جو بارہ سو برس کا طویل زمانہ گذرا ہے اس میں یہی مذہب حنفی تھا جسکی
روشنی میں خدا کی مخلوق کے مشکلات حل ہوتے رہے اور ان خلافتوں میں بھی فقہ حنفی ملک کا
قانون بنا رہا۔

## اصحاب مدارس کو چاہیے کہ ''المجلس الفقہی'' تشکیل دیں

لیکن جب کہ ہماری حکومت اور ہمارے ملک کے مسلمانوں کا مالدار طبقہ بھی اس فرض
سے غافل ہے تو اب خاصۃً یہ فریضہ علماء امت کے ذمہ آجاتا ہے خصوصاً ان مدارس کے
ارباب اہتمام کے ذمے کہ جو اپنے مدرسوں میں ہزار ہا روپے سالانہ خرچ کرنے کی اہلیت
رکھتے ہیں اور مناسب مشاہرات پر اچھے اچھے فضلاء کو رکھ سکتے ہیں، اگر ان عربی مدارس میں
سے ہر مدرسہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایک جماعت کی تشکیل کرے اور پھر اپنا ایک
نمائندہ منتخب کرے تو کیا اچھا ہو جو کام ارباب حکومت لاکھوں روپے کے صرف سے بھی
انجام نہیں دے رہی، وہ علماء کا یہ غریب ومفلس اور نادار طبقہ تھوڑے سے خرچ پر بآسانی
کر سکتا ہے، مدرسہ عربیہ اسلامیہ (جامعہ علوم اسلامیہ کراچی)، دارالعلوم کراچی، دارالعلوم
الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار، خیر المدارس ملتان، جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ مدنیہ لاہور، دارالعلوم
حقانیہ اکوڑہ، جامعہ امدادیہ کشور گنج ڈھاکہ، مدرسہ معین الاسلام ہاٹ ہزاری چاٹگام، مدرسہ

اسلامیہ جیری چاٹگام، جامعہ اسلامیہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ وغیرہ وغیرہ، اگر یہ مدارس اس مقصد پر متفق ہو جائیں تو یہ عظیم الشان کام انشاء اللہ بہت جلد انجام پذیر ہو سکے گا اور بآسانی یہ مشکل ہو جائیگی۔

آخر میں اپنی یہ مختصر گذارش حضرت رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث پر ختم کرتا ہوں جس سے ان مشکلات کے حل کرنے میں پوری رہنمائی ملتی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنْ نَزَلَ بِنَا اَمْرٌ لَيْسَ فِيْهِ بَيَانٌ، لَا اَمْرٌ وَلَا نَهْيٌ فَمَا تَأْمُرُنِيْ؟ قَالَ: شَاوِرُوْا فِيْهِ الْفُقَهَاءَ وَالْعَابِدِيْنَ، وَلَا تَمْضُوْا فِيْهِ رَأْيَ خَاصًّا.

﴿رواه الطبراني في الاوسط و رجاله موثقون من اهل الصحيح﴾

[مجمع الزوائد ص۱۷۸ ج ۱]

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جس میں آپ کا کوئی بیان کرنے یا نہ کرنے کا نہ ملتا ہو تو آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا کیا جائے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ فقہاء و عابدین سے مشورہ کر کے فیصلہ کیا کریں، شخصی رائے کو دخل نہ دیں۔

اس حدیث کریم سے جہاں اجتماعی شورائی فیصلوں کی نہ صرف اہمیت بلکہ فرضیت ۳ ثابت ہوئی ساتھ ساتھ اس جماعت کی اہلیت کے شرائط بھی معلوم ہو گئے:

۱- ایسے اہل علم ہوں کہ تفقہ فی الدین ان کو حاصل ہو۔

۲- صالح و متقی اور عبادت گذار ہوں۔

واللہ سبحانہ هو الموفق

(ربیع الاول ۱۳۸۳ھ، اگست ۱۹۶۳ء)



## اہل علم و اہل قلم حضرات کا فریضہ

افسوس کہ ہم ایک ایسے دور سے گذر رہے ہیں جس میں ارباب علم اپنے علمی تقاضوں کو نہیں پورا کر رہے ہیں، اور ارباب جہل علمی مسائل میں دخل دے رہے ہیں، ہر صاحب قلم صاحب علم بننے کا مدعی ہے، کتابوں کے اردو تراجم نے اس فتنے کو اور وسعت دی ہے اردو تراجم جہاں ایک اصلاحی مفید خدمت انجام دے سکتے تھے، افسوس کہ عصر حاضر میں "واثمهما اكبر من نفعهما" کا مصداق بنتے جا رہے ہیں جن کا ضرر و نقصان فائدہ و نفع سے کہیں بڑھ گیا ہے۔

دور حاضر میں جہاں مختلف فتنوں کی آماجگاہ ہے، وہاں قلم کا فتنہ شاید سب سے گوئے سبقت لے جا رہا ہے، ایک حدیث میں جسے درمنثور میں بحوالہ "مسند احمد" "الادب المفرد للبخاری" اور "مستدرک حاکم" بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے، آنحضرت ﷺ نے قیامت سے پہلے کے چھ فتنوں کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے ایک فشو القلم یعنی قلم کا طوفان ہے اس حدیث کی روشنی میں آج طوفان قلم کی فتنہ سامانی کا اندازہ ہر عاقل کر سکتا ہے۔

علمی میدان میں ان حضرات کا دائرہ نہ صرف بہت محدود و تنگ ہے بلکہ ہے ہی نہیں، اردو کے تراجم سے کچھ سطحی معلومات حاصل کر کے ہر شخص دور حاضر کا مجتہد بنتا جا رہا ہے اور اعجاب كل ذى راى برايه (ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرتا ہے) اس فتنے نے "مزید کریلا اور پھر نیم چڑھا" والی مثل صادق کر دی ہے، اور ناشرین نے محض تجارتی مصالح کے خیال سے سستے داموں عالم نما جاہلوں سے تراجم کرا کر فتنہ کو اور بڑھا دیا ہے، غرض کہ فتنوں کا دور ہے ہر طرح کے فتنے اور ہر طرف سے فتنے ہی فتنے نظر آتے ہیں، ان فتنوں کے سد

باب کے لئے مستقل اداروں کی ضرورت ہے جن کا اساسی مقصد صرف یہی ہو کہ ان تراجم کا جائزہ لیا جائے اور اخبارات میں شائع ہونے والے مقالات کی نگرانی ہو، ارباب جرائد ومجلات کا مقصد محض تجارت ہے، اور ارباب قلم کا مقصد محض شہرت ہے یا پھر کچھ مادی منفعت بھی پیش نظر ہے، انہی قلمی واخباری فتنوں میں سے ایک ''زرعی اصلاحات'' کے عنوان سے زرعی مشکلات کو حل کرنے کے سلسلہ کے مضامین ہیں جو آئے دن اخبارات میں نکلتے رہتے ہیں۔

بلا شبہ علمی ودینی نقطۂ نظر سے یہ وقت کا اہم ترین مسئلہ ہے اور اسلامی احکام کی روشنی میں اگر صحیح متفقہ حل پیش کیا جائے تو کمیونزم کا سدباب ہوسکتا ہے، دنیا کی مادی بنیادیں دو ہیں جن پر معاش ومعیشت کا دارومدار ہے۔

ایک زراعت اور ایک صنعت وتجارت دونوں چیزیں حیات انسانی کے لئے بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی کے ہیں، اسلئے دین اسلام نے ان کے احکام پورے طور پر بیان کردیئے، قرآن وحدیث وفقہ اسلامی میں انکی تفصیلات موجود ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ مفکرین ارباب دین وارباب علم جن کی علمی زندگیاں انہی بادیہ پیمائیوں میں گذری ہیں اور جنکی بے لوث زندگیاں اخلاص وتقوی سے معمور ہیں اور جنکی فکری واجتہادی صلاحیتیں مسلم ہیں جلد سے جلد کسی مرکز میں بیٹھ کر وفاقی اجماعی حل پیش کریں، شخصی طور پر اس پچاس سال میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، چند ماہ پہلے مدرسہ عربیہ اسلامیہ (جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن) نے چند ممتاز افراد کو جمع بھی کیا تھا لیکن تکمیل سے پہلے حضرات منتشر ہوگئے، کام ادھورا رہ گیا، حق تعالی توفیق عطا فرمائیں کہ جلد سے جلد یہ کام انجام پذیر ہو اور نہایت خوش اسلوبی سے منصۂ شہود پر امت کے سامنے آجائے، اگرچہ ارباب اقتدار آج کل اتنے جری ہوگئے کہ فوجی طاقت کے بل بوتے پر ہر حکم نافذ کرتے ہیں، اور اسلام کے ادعاء کے باوجود



ہر قید وبند سے آزاد ہو کر احکامات صادر فرماتے رہتے ہیں، ان حالات میں بے چارے اہل علم یا ارباب دین کی باتوں کو وہ کہاں درخور اعتناء سمجھتے ہیں لیکن بارگاہ ربوبیت میں اپنی مسئولیت پوری کرنے کیلئے ہروقت اسکی ضرورت ہے۔

ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ، جون ۱۹۷۲ء

## علماء کرام پر بے جا تنقیدیں

بدقسمتی سے علماء امت کو ہر دور میں بدنام اور متہم کیا گیا ہے کہ یہ لوگ وقت کے تقاضوں سے غافل اور بے خبر رہتے ہیں، ان میں سخت ترین جمود اور تعطل کارفرما ہے، یہ خالص رجعت پسند ہیں قدامت پرست ہیں، ہر زمانہ میں قومی ترقی کی راہ میں یہی لوگ رکاوٹ بنتے رہے ہیں، وغیرہ وغیرہ، یہ وہ طعنے ہیں جو آج بھی علی الاعلان علماء کو دیے جارہے ہیں۔

جی ہاں! علماء کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ قدیم ترین قانون الہی اور دین فطرت کو انسانیت کے لئے واحد ذریعہ نجات سمجھتے ہیں، وہ خاتم الانبیاء ﷺ کی لائی ہوئی شریعت الہیہ کو ہی وسیلہ سعادت دارین مانتے ہیں، فرائض شرعیہ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کی پابندی کو جزو ایمان جانتے ہیں محرمات ومنکرات شرعیہ زنا، شراب، سود، قمار، تھیٹر، سینما، رقص وسرود، بے حیائی اور حیا سوز عریانی، مردوں اور عورتوں کے بے محابا اختلاط اور مخلوط تعلیم وغیرہ کو قطعاً حرام اور قوم کے کردار کی تباہی اور اخلاقی پستی کا واحد ذمہ دار سمجھتے ہیں، اور ان فواحش ومنکرات کے مٹانے پر قولاً وعملاً کمربستہ اور سینہ سپر رہے ہیں، اور یہ بدیہی امر ہے کہ انسانی ترقی اور انسانیت کے ارتقاء سے ان فواحش کا دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں بلکہ یہ انسانی ارتقاء کی راہ میں سخت ترین رکاوٹ ہیں، اس لئے کہ یہ فواحش تو خالص بہیمیت اور شہوت رانی کے

مظاہر ہیں۔

اور ہاں ! یہ علماء قرآن وحدیث کے منصوص اور صریح عقائد واحکام کو ہر طرح کی تاویل وتحریف اور تبدیل وتغیر سے بالاتر سمجھتے ہیں، امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے اجماعی اور قطعی معتقدات ومسائل کو واجب الاتباع جانتے ہیں، فقہاء امت رحمہم اللہ کے اجتہادات کو عملی زندگی کے لئے رہنما اصول کے طور پر تسلیم کرتے ہیں اور جدید مسائل کے حل کرنے میں ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، یہ ہے علماء کی رجعت پسندی اور قدامت پسندی؟

اور ہاں ! یہی ہیں وہ علماء اور محافظین تہذیب وتمدن اسلامی جو یورپ وامریکہ کی دہریت ولادینی کے سیلاب کی راہ میں مضبوط چٹان بن کر ہمیشہ صف آرا ہوئے ہیں، یہی وہ علماء ہیں جو پیٹ پر پتھر باندھ کر شعائر اللہ کی پاسبانی کا فرض ادا کرتے رہے ہیں، ابوحنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ سے لے کر مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، حضرت نانوتویؒ اور اسیر مالٹا شیخ الہندؒ تک کے تمام خدا پرست علماء کی یہ سرفروشانہ خدمات جن کا آپ کو بھی اعتراف ہے، نہ ہوتیں تو عہد بنو امیہ اور عہد بنو عباس سے لیکر دور اکبری تک ہی دین اسلام لعبہ اہواء اور بازیچہ اطفال نیز عیش پرست ملوک وسلاطین کی نت نئی اطماع وخواہشات کا اکھاڑہ بن جاتا، دین حق کے یہ پاسبان اگر نہ ہوتے تو یہ خدا کا پسندیدہ دین خدا ہی جانتا ہے اس کا کیا حشر ہوتا؟

## علماء و مصلحین اور انکے فتنے

سب سے بڑا صدمہ یہ ہے کہ مصلحین کی جماعتوں میں جو فتنے آج کل رونما ہورہے ہیں نہایت خطرناک ہیں، تفصیل کا موقعہ نہیں لیکن فہرست کے درجہ میں چند باتوں کا ذکر ناگزیر ہے:

### ۱- مصلحت اندیشی کا فتنہ:-

یہ فتنہ آج کل خوب برگ وبار لا رہا ہے، کوئی دینی یا علمی خدمت کی جائے اس میں پیش نظر دنیاوی مصالح رہتے ہیں، اس فتنہ کی بنیاد نفاق ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سی دینی وعلمی خدمات برکت سے خالی ہیں۔

### ۲- ہردلعزیزی کا فتنہ:-

جو بات کہی جاتی ہے اس میں یہ خیال رہتا ہے کہ کوئی بھی ناراض نہ ہو، سب خوش رہیں، اس فتنہ کی اساس حب جاہ ہے۔

### ۳- اپنی رائے پر جمود واصرار:-

اپنی بات کو صحیح وصواب اور قطعی ویقینی سمجھنا، دوسروں کی بات کو درخور اعتناء اور لائق التفات نہ سمجھنا، بس یہ یقین کرنا کہ میرا موقف سو فیصد حق اور درست ہے، اور دوسرے کی رائے سو فیصد غلط اور باطل، یہ اعجاب بالرائے کا فتنہ ہے اور آج کل سیاسی جماعتیں اس مرض کا شکار ہیں، کوئی جماعت دوسرے کی بات سننا گوارا نہیں کرتی، نہ حق دیتی ہے کہ ممکن ہے کہ مخالف کی رائے کسی درجہ میں صحیح ہو یا یہ کہ شاید وہ بھی یہی چاہتے ہوں جو ہم چاہتے ہیں صرف تعبیر اور عنوان کا فرق یا "الأهم فالأهم" کی تعیین کا اختلاف ہو۔

## ۴-سوءِ ظن کا فتنہ :-

ہر شخص یا ہر جماعت کا خیال یہ ہے کہ ہماری جماعت کا ہر ہر فرد مخلص ہے اور انکی نیت بخیر ہے، اور باقی تمام جماعتیں جو ہماری جماعت سے اتفاق نہیں رکھتیں وہ سب خودغرض ہیں، انکی نیت صحیح نہیں بلکہ اغراض پر مبنی ہیں اسکا منشا بھی عجب وکبر ہے۔

## ۵-سوءِ فہم کا فتنہ :-

کوئی شخص کسی مخالف کی بات جب سن لیتا ہے تو فوراً اسے اپنا مخالف سمجھ کر اس سے نہ صرف نفرت کا اظہار کرتا ہے بلکہ مکروہ انداز میں انکی تردید فرض سمجھی جاتی ہے، مخالف کی ایک ایسی بات میں جس کے کئی محمل اور مختلف توجیہات ہوسکتی ہیں وہی توجیہ اختیار کریں گے جس میں انکی تحقیر وتذلیل ہو کیا ﴿إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ (الآیۃ) اور ((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ)) کی نصوص مرفوع العمل ہوچکی ہیں؟

## ۶-بہتان طرازی کا فتنہ :-

مخالفین کی تذلیل وتحقیر کرنا بلاسند انکی طرف گھناؤنی باتیں منسوب کرنا، اگر کسی مخالف کی بات ذرا بھی کسی نے نقل کردی بلاتحقیق اس پر یقین کرلینا اور مزے لیکر محافل ومجالس کی زینت بنانا، بالفرض اگر خود بہتان طرازی نہ بھی کریں دوسروں کی سنی سنائی باتوں کو بلاتحقیق صحیح سمجھنا، کیا یہ نص قرآنی ﴿إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ کے خلاف نہیں؟

## ۷-جذبہ انتقام کا فتنہ :-

کسی شخص کو کسی شخص سے عداوت ونفرت یا بدگمانی ہو تو وہ مجبوراً خاموش رہتا ہے لیکن جب ذرا اقتدار مل جاتا ہے طاقت آجاتی ہے تو پھر خاموشی کا سوال پیدا نہیں ہوتا، گویا یہ خاموشی معافی اور درگذر کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ بیچارگی وناتوانی اور کمزوری کی وجہ سے تھی جب طاقت آگئی تو انتقام لینا شروع کیا، رحم وکرم اور عفوودرگذر سب ختم۔



## ۸-حب شہرت کا فتنہ :-

کوئی دینی یا علمی یا سیاسی کام کیا جائے، آرزو یہی ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ داد ملے اور تحسین وآفرین کے نعرے بلند ہوں، درحقیقت اخلاص کی کمی یا فقدان سے اور خودنمائی وریاکاری کی خواہش سے یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے، صحیح کام کرنے والوں میں یہ مرض پیدا ہوگیا اور درحقیقت یہ شرک خفی ہے حق تعالے کے دربار میں کسی دینی یا علمی خدمت کا وزن اخلاص سے ہی بڑھتا ہے، اور یہی تمام اعمال میں قبول عنداللہ کا معیار ہے، اخبارات، جلسے، جلوس، اور (علماء کے بیرون ملکوں کے) دورے زیادہ تر اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

## ۹-خطابت یا تقریر کا فتنہ :-

یہ فتنہ عام ہوتا جارہا ہے کہ لن ترانیاں انتہا درجہ میں ہوں، عملی کام صفر کے درجہ میں ہوں قوالی کا شوق دامن گیر ہے، عمل وکردار سے زیادہ واسطہ نہیں:

﴿لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾

ترجمہ: کیوں کہتے ہو منہ سے جو نہیں کرتے؟، بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے ہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔

خطیب اس انداز سے تقریر کرتا ہے گویا تمام جہاں کا درد اس کے دل میں ہے، لیکن جب عملی زندگی سے نسبت کی جائے تو درجہ صفر ہوتا ہے۔

## ۱۰-دعایۃ یعنی پروپیگنڈہ کا فتنہ :-

جو جماعتیں وجود میں آئی ہیں خصوصاً سیاسی جماعتیں ان میں غلط پروپیگنڈہ اور واقعات کے خلاف جوڑ توڑ کی وبا اتنی پھیل گئی ہے جس میں نہ دین ہے اور نہ اخلاق، نہ عقل ہے نہ انصاف، محض یورپ کی دین باختہ تہذیب کی نقالی ہے، اخبارات، اشتہارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن تمام اس کے مظاہر ہیں۔

### ۱۱- مجلس سازی کا فتنہ :-

چند اشخاص کسی بات پر متفق ہوگئے یا کسی جماعت سے ذرا اختلاف رائے ہوگیا، ایک نئی جماعت کی تشکیل ہوگئی طویل وعریض اغراض ومقاصد بتائے جاتے ہیں، پروپیگنڈہ کیلئے فوراً اخبار نکالا جاتا ہے، بیانات چھپتے ہیں کہ اسلام اور ملک بس ہماری جماعت کے دم قدم سے باقی رہ سکتا ہے۔

نہایت دل کش عنوانات اور جاذب نظر الفاظ وکلمات سے قراردادیں اور تجویزیں چھپنے لگتی ہیں، امت میں تفرق وانتشار اور گروہ بندی کی آفت اسی راستے سے آئی ہے۔

### ۱۲- عصبیت جاہلیت کا فتنہ :-

اپنی پارٹی کی ہر بات خواہ وہ کیسی ہی غلط ہو، اسکی حمایت وتائید کی جاتی ہے، اور مخالف کی ہر بات پر تنقید کرنا سب سے اہم فرض سمجھا جاتا ہے، مدعی اسلام جماعتوں کے اخبار ورسائل تصویریں، کارٹون سینما کے اشتہار، سود اور قمار کے اشتہار اور گندے مضامین شائع کرتے ہیں، مگر چونکہ اپنی جماعت کے حامی ہیں اسلئے جاہلی تعصب کی بنا پر ان سب کو بنظر استحسان دیکھا جاتا ہے، الغرض جو اپنا حامی ہو وہ تمام بدکرداریوں کے باوجود پکا مسلمان ہے اور جو اپنا مخالف ہو اسکی نماز روزہ کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے۔

### ۱۳- حب مال کا فتنہ :-

حدیث میں تو آیا ہے کہ:

"حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ"

یعنی دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے، حقیقت میں تمام فتنوں کا قدر مشترک حب جاہ یا حب مال ہے، بہت سے حضرات "رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً" کو دنیا کی جستجو اور محبت کیلئے دلیل بناتے ہیں حالانکہ بات واضح ہے کہ ایک ہے دنیا سے تعلق اور ضروریات



کا حصول اس سے انکار نہیں نیز ایک ہے طبعی محبت جو مال اور آسائش سے ہوتی ہے اس سے بھی انکار نہیں، مقصد تو یہ ہے کہ حب دنیا یا حب مال کا اتنا غلبہ نہ ہو کہ شریعت محمدیہ اور دین اسلام کے تمام تقاضے ختم یا مغلوب ہوجائیں، اقتصاد واعتدال کی ضرورت ہے عوام سے شکایت کیا کی جائے؟ آج کل عوام سے یہ فتنہ گذر کر خواص کے قلوب میں بھی آرہا ہے الا ما شاء اللہ، اس فتنے کی تفصیلات کے لئے ایک طویل مقالے کی ضرورت ہے، حق تعالےٰ توفیق عطاء فرمائے، ہم ان مختصر اشاروں کو حضرت رسول اللہ ﷺ کی محبت کی ایک دعا پر ختم کرتے ہیں۔

اللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ
يُقَرِّبُنِي إِلَيْكَ، اللّٰهُمَّ مَا رَزَقْتَنِي مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً
فِيمَا تُحِبُّ وَمَا زَوَيْتَ عَنِّي مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا
لِي فِيمَا تُحِبُّ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ الْأَشْيَاءِ إِلَيَّ
مِنْ نَفْسِي وَأَهْلِي وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ

(ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ، جون ۱۹۷۰ء)

## علماء کی صحبت کے بغیر علم آزمائش وابتلاء ہے

دنیا میں ہر کمال کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ صاحب کمال کی خدمت میں رہ کر وہ کمال حاصل کرلیا جائے، معمولی سے معمولی صنائع اور عام سے عام پیشوں کیلئے بھی کسی استاذ ورہنما کی ضرورت مسلّم، بغیر استاذ کے نری عقل وذہانت اور طباعی سے کوئی کمال صحیح طور پر حاصل نہیں ہوسکتا، انجینئری ہو یا ڈاکٹری اور طبابت ہو، ہر صنعت وحرفت کے لئے ابتداءً عقل کی رہنمائی کے لئے کسی استاذ کی حاجت یقینی ہے، جب انسانی عقل کے پیدا کردہ

فنون وعلوم کے حاصل کرنے کیلئے ایک کامل کی صحبت ضروری ہے تو علوم نبوت اور معارف
انبیاء اور حقائق شریعت کیلئے استاذ ورہنما سے کیسے استغناء ہوسکتا ہے؟ کیونکہ یہ علوم
ومعارف تو عقل وادراک کے دائرے سے بالاتر ہیں اور وحی ربانی کے ذریعہ سے امت کو
پہنچے ہیں، آسمانی تربیت اور ربانی ہدایت وارشاد کے ذریعہ سے اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے،
پھر ان ربانی علوم میں الفاظ سے زیادہ مربی کی توجہات اور اسکی عملی صحبت کو دخل ہوتا ہے اور
تعلیم سے زیادہ ذہنی وفکری اور عملی تربیت ضروری ہے، اسلئے جتنی طویل صحبت ہوگی زیادہ
کمال نصیب ہوگا اور مربی ورہنما جتنا با کمال ہوگا اتنا زیادہ فائدہ اور کمال حاصل ہوگا، پھر
ان علوم نبوت کی غرض وغایت چونکہ ہدایت وارشاد اور مخلوق خدا کی رہنمائی ہے اس لئے
انکے سمجھنے میں شیطان لعین کی عداوت واضلال اور گمراہی کا شدید اندیشہ ہوتا ہے جو کمال کہ
دنیوی مفاد کیلئے حاصل کرنا ہوتا ہے اس میں شیطان آرام سے بیٹھا رہتا ہے اسکو دخل کی
حاجت ہی نہیں، نہ عداوت ظاہر کرنے کی ضرورت ہے لیکن جہاں آخرت وعقبی اور دین کی
بات ہوتی ہے تو شیطان اپنی شرارت کیلئے بے تاب ہوتا ہے، مختلف وسائل سے اپنی پوری
طاقت صرف کرتا ہے کہ کسی طرح سے یہ رشد وہدایت ضلالت میں تبدیل ہوجائے اور
چونکہ ابلیس لعین کا سب سے بڑا کارنامہ تلبیس ہے یعنی حق وباطل میں ایسا التباس ہوجائے
کہ جو چیز ظاہری صورت کے لحاظ سے خیر ہے حقیقت کے اعتبار سے شر بن جائے، پھر نفس
انسانی کی کارستانیاں اس پر مستزاد ہیں، انسانی فطرت میں کبر وعجب ہے، ریاکاری وحب
شہرت ہے، حب جاہ کا مرض ہے اور ایسے شدید وقوی امراض ہیں کہ مدتوں کی ریاضتوں اور
مجاہدوں سے انکا ازالہ نہیں ہوتا، اسلئے نفس وشیطان کے اثرات سے بچنے کے لئے مدتوں
کسی کامل کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے اور جب فضل الٰہی شامل حال ہو تو اصلاح ہوجاتی
ہے ورنہ انسان یونہی علم وعقل کے صحراؤں میں بھٹکتا پھرتا ہے، دنیا کی علمی تاریخ کا مطالعہ



کرنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ جتنے فتنے پیدا ہوئے ہیں سب اذکیاء
اور طباع حضرات کے ذریعہ سے وجود میں آئے اور علمی دور میں اکثر فتنے علم کے راستے سے
آئے ہیں بلکہ علماء حق میں بھی بہت سے اذکیاء زمانہ اپنی شدت ذکاوت کی وجہ سے جمہور
امت سے شذوذ اختیار کرکے غلط افکار ونظریات کا شکار ہوگئے اور وہاں زیادہ تر یہی حقیقت
کارفرما رہی کہ اپنے تبحر وذکاوت پر اعتماد کرکے علمی کبر اور اعجاب بالرائی کے مرض میں مبتلا
ہوئے، زیادہ صحبت نہیں ملی اور کہاں سے کہاں نکل گئے۔

ہمارے اس دور میں بھی اس کے بہت سے نظائر موجود ہیں، اور چونکہ علمی ذہانت تو
ہوتی ہی ہے اور بسا اوقات بہت عمدہ بات بھی کہہ جاتے اور لکھ جاتے ہیں، اسلئے ان کی وہ
عمدہ باتیں مزید فتنہ کا باعث بن جاتی ہیں اور جن حضرات کو زیادہ صحبت اور علمی گہرائیاں
نصیب نہیں ہیں وہ بہت جلد ان کے معتقد ہوجاتے ہیں اور انکے امت سے مختلف شواذ اور
جدید افکار ونظریات کے بھی حامی ہوجاتے ہیں، اور شیطان تو اپنے کام میں لگا ہوا ہے جو
شخصیت امت کی ہدایت وارشاد کے کام آسکتی تھی وہ امت میں زیغ وضلال کا ذریعہ بن
جاتی ہے، ہر دور میں اسکی مثالیں موجود ہیں، امام غزالیؒ نے مقاصد الفلاسفۃ میں لکھا ہے کہ
''یونانیوں کے علوم حساب ہندسہ عنصریات وغیرہ صحیح علوم کو دیکھ کر لوگ انکے تمام علوم کے
معتقد ہوگئے، طبعیات والٰہیات میں انکی تحقیقات کے قائل ہوکر گمراہ ہوگئے'' امام غزالیؒ کی
یہ بات بہت عجیب ہے اور بالکل صحیح ہے شیطان کو اس قسم کے مواقع میں اضلال کا بہت اچھا
موقع مل جاتا ہے، بہرحال جب انتہائی علمی قابلیت والے انتہائی ذکاوت والے فتنوں میں
مبتلا ہوسکتے ہیں تو ایسے حضرات کہ جن میں علمی قابلیت بہت کم، لیکن قلمی قابلیت بہت زیادہ
ہو صحبت ارباب کمال سے یکسر محروم ہوں طباع وذہین ہوں وہ تو بہت جلد اعجاب بالرائی کی
خطرناک بلا میں مبتلا ہوکر تمام امت کی تحقیر اور تمام تحقیقات امت کا استخفاف اور تمام سلف

صالحین کے کارناموں کی تضحیک اور اول سے لیکر آخر تک تمام پر تنقید کر کے خطرناک گہرے گڑھے میں گر کر تمام نسل کے لئے گمراہی کا باعث بن جاتے ہیں۔

والله سبحانه ولی التوفیق

(رجب المرجب ۱۳۹۶ھ، اگست ۱۹۷۶ء)

## دینی مدارس کے علماء وطلباء کے لئے لمحہ فکریہ

بلاشبہ دینی مدارس کا وجود سراپا خیر و برکت اور ان کا منصب تعلیم وتعلم نہایت ہی اونچا اور لائق فخر ہے، یہ دینی مدارس انبیاء کرام علیہم الصلوت والتسلیمات کی وراثت کے امین، شریعت الٰہی کے محافظ اور امت محمدیہ کے معلم ہیں، قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں دین کی تعلیم وتعلم کے جو فضائل آئے ہیں ان سے کسی کو انکار کی مجال نہیں لیکن یہ منصب جتنا عالی ہے اسکی قیمت بھی اتنی اونچی ہے اور وہ صرف رضائے الٰہی اور نعیم جنت ہی ہو سکتی ہے، اگر اس گوہر بے بہا کی قیمت متاع دنیا کو ٹھہرالیا جائے تو اس سے بڑھ کر کوتاہ نظری اور کیا ہو سکتی ہے؟ حدیث میں صاف وصریح وعید وارد ہے کہ:

((مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً مِمَّا يُبْتَغىٰ بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ لاَ يَتَعَلَّمُهُ اِلاَّ لِيُصِيْبَ بِهِ عَرَضاً مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ))

[مسند احمد، ابو داؤد، ابن ماجه، عن ابی هریرةؓ]

ترجمہ: جس نے وہ علم حاصل کیا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو سکتی ہے مگر وہ اسکو صرف متاع دنیا کیلئے حاصل کرتا ہے تو اس کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی‘‘۔

سنا ہے کہ حضرت فقیہ عصر، محدث وقت، عارف باللہ مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے خواب بیان کیا کہ درس گاہوں کی تپائیوں کے سامنے طا [illegible] بجائے بیل بیٹھے



ہیں فرمایا:-’’اناللہ! اب لوگ علم دین پیٹ کے لئے پڑھنے لگے‘‘۔

ہمارے اکابر کیلئے تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف، دعوت وارشاد، اور امامت وخطابت کے مشاغل کبھی شکم پروری اور جاہ طلبی کا ذریعہ نہیں رہے، بلکہ یہ خالص دینی مناصب تھے اور بزرگوں کے اخلاص وتقویٰ، خلوص وللٰہیت، ذکر وشغل اور اتباع سنت نے ان مناصب کے وقار کو اور بھی چار چاند لگا رکھے تھے، لیکن افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے دینی مدارس کی روح دن بدن مضمحل ہوتی جارہی ہے، اساتذہ وطلبہ میں شب خیزی ذکر وتلاوت، زہد وقناعت، اخلاص وللٰہیت اور محنت وجانفشانی کی فضا ختم ہورہی ہے، نماز فجر کے بعد تلاوت قرآن کریم کی جگہ عام طور پر اخبار بینی لے رہی ہے، ریڈیو اور ٹی وی جیسی منحوس چیزیں جدید تمدن نے گھر گھر پہنچادی ہیں اور ہمارے دینی قلعے، دینی مدارس بھی ان وباؤں سے متاثر ہورہے ہیں، یہ وہ خطرناک صورت حال ہے جس نے ارباب بصیرت اہل دل کو بے چین کر رکھا ہے، ہمارے مخدوم گرامی منزلت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی متّع اللہ الأمة بحیاتهم الطیبة المبارکة (رحمۃ اللہ علیہ) نے اسی تاثر کی وجہ سے راقم الحروف کے نام ایک مفصل والا نامہ تحریر فرمایا ہے، ارباب مدارس کی توجہ اور اصلاح کیلئے اسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ارباب مدارس کیلئے وسیلہ عبرت ونصیحت اور توجہ بنائے (آمین)

# حضرت شیخ الحدیثؒ کے مکاتب بنام حضرت بنوریؒ
# اوران مکاتب کے جوابات

یہاں قارئین کی مزید افادیت کے لئے وہ خطوط نقل کئے جارہے ہیں جو حضرت بنوری علیہ الرحمۃ اور حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ کے درمیان طلباء وعلماء کی اصلاح کی کوششوں کے سلسلے میں لکھے گئے۔

## مکتوب گرامی از حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ

### المخدوم المکرّم حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب زاد مجدھم

سلام کے بعد عرض یہ ہے کہ مدارس کے روز افزوں فتن طلبہ کی دین سے بے رغبتی وبے توجہی اور لغویات میں اشتغال کے متعلق کئی سال سے میرے ذہن میں یہ ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جارہی ہے بلکہ تقریباً یہ سلسلہ معدوم ہی ہو چکا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ بعض میں تو اس لائن سے تنفر کی صورت دیکھتا ہوں جو میرے نزدیک بہت خطرناک ہے۔

ہندوستان کے مشہور مدارس دارالعلوم "دیوبند"، "مظاہر العلوم"، "شاہی مسجد مراد آباد" وغیرہ کی ابتداء جن اکابر نے کی تھی وہ سلوک کے بھی امام الائمہ تھے، انہی کی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ہواؤں کے باوجود اب تک چل رہے ہیں۔

اس مضمون کو کئی سال سے اہل مدارس، منتظمین اور اکابرین کی خدمت میں تقریراً وتحریراً کہتا اور لکھتا رہتا ہوں، میرا خیال یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات اس کی طرف توجہ فرماویں



تو زیادہ مؤثر اور مفید ہوگا، مظاہر العلوم میں تو میں کسی درجہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور دارالعلوم کے متعلق جناب الحاج مولانا قاری محمد طیب صاحب سے عرض کر چکا ہوں اور بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل مدارس سے عرض کرتا رہتا ہوں، روز افزوں فتنوں سے مدارس کے بچاؤ کیلئے ضروری ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی فضا قائم کی جائے، شرور وفتن اور تباہی وبربادی سے حفاظت کی تدبیر ذکر اللہ کی کثرت ہے، جب اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا تو دنیا ختم ہو جائے گی جب اللہ تعالیٰ کے پاک نام میں اتنی قوت ہے کہ ساری دنیا کا وجود اس سے قائم ہے تو مدارس کا وجود تو ساری دنیا کے مقابلہ میں دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں، اللہ تعالے کے پاک نام کو ان کی بقاء وتحفظ میں جتنا دخل ہوگا ظاہر ہے۔

اکابر کے زمانے میں ہمارے ان جملہ مدارس میں اصحاب نسبت اور ذاکرین کی جتنی کثرت رہی ہے وہ آپ سے بھی مخفی نہیں اور اب اس میں جتنی کمی ہوگئی ہے وہ بھی ظاہر ہے بلکہ اگر یوں کہوں کہ اس پاک نام کے مخالف حیلوں اور بہانوں سے مدارس میں داخل ہوتے جارہے ہیں تو میرے تجربہ میں تو غلط نہیں اسلئے میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں کچھ ذاکرین کی تعداد ضرور ہوا کرے۔

طلبہ کے ذکر کرنے کے تو ہمارے اکابر بھی خلاف رہے ہیں اور میں بھی موافق نہیں لیکن منتہی طلبہ یا فارغ التحصیل یا اپنے سے یا اپنے اکابرین سے تعلق رکھنے والے ذاکرین کی کچھ مقدار مدارس میں رہا کرے اور مدرسہ ان کے قیام کا کوئی انتظام کردیا کرے مدرسہ پر طعام کا بارڈالنا تو مجھے بھی گوارا نہیں، طعام کا انتظام تو مدرسہ کے اکابر میں سے کوئی شخص ایک یا دو اپنے ذمہ لے لے یا باہر سے مخلص دوستوں میں سے کسی کو متوجہ کر کے ایک ایک ذکر کرنے والے کا کھانا کسی کے حوالہ کر دیا جائے، جیسا کہ ابتداء میں مدارس کے طلبہ کا انتظام اسی طرح ہوتا تھا، البتہ اہل مدارس ان کے قیام کی کوئی صورت اپنے ذمہ لے لیں جو مدرسہ

ہی میں ہو اور ذکر کیلئے کوئی ایسی مناسب جگہ تشکیل کریں کہ دوسرے طلبہ کا کوئی حرج نہ ہو، نہ سونے والوں کا، نہ مطالعہ کرنے والوں کا۔

جب تک اس ناکارہ کا قیام سہارن پور میں رہا تو ایسے لوگ بکثرت رہتے تھے جو میرے مہمان ہو کر ان کے کھانے پینے کا انتظام تو میرے ذمہ تھا، لیکن قیام اہل مدرسہ کی جانب سے مدرسہ کے مہمان خانہ میں ہوتا تھا اور وہ بدلتے سدلتے رہتے تھے، صبح کی نماز کے بعد میرے مکان پر ان کے ذکر کا سلسلہ ایک گھنٹہ تک ضرور رہتا تھا اور میری غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کی عزیز طلحہ کی کوشش سے ذاکرین کی وہ مقدار اگر چہ نہ ہو مگر ۲۰ یا ۲۵ کی مقدار روزانہ ہو جاتی ہے، میرے زمانہ میں تو سو، سوا سو تک پہنچ جاتی تھی اور جمعہ کے دن عصر کے بعد مدرسہ کی مسجد میں تو دو سو سے زیادہ کی مقدار ہو جاتی تھی اور غیبت کے زمانہ میں بھی سنتا ہوں کی ۴۰ یا ۵۰ کی تعداد عصر کے بعد ہو جاتی ہے ان میں باہر کے مہمان جو ہوتے ہیں اور دس بارہ تک تو اکثر ہو ہی جاتے ہیں، عزیز مولوی نصیر الدین سلمہ، اللہ تعالے اس کو بہت جزائے خیر دے، ان لوگوں کے کھانے کا انتظام میرے کتب خانہ سے کرتے رہتے ہیں اسی طرح میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں دو چار ذاکرین ضرور مسلسل رہیں کہ داخلی اور خارجی فتنوں سے بہت امن کی امید ہے ورنہ مدارس میں جو داخلی اور خارجی فتنے بڑھتے جارہے ہیں اکابر کے زمانہ سے جتنا بعد ہوتا جائیگا اس میں اضافہ ہی ہوگا۔

اس ناکارہ کو نہ تحریر کی عادت، نہ تقریر کی، آپ جیسا یا مفتی محمد شفیع صاحب جیسا کوئی شخص میرے اس مافی الضمیر کو زیادہ وضاحت سے لکھتا تو شاید اہل مدارس پر اس مضمون کی اہمیت زیادہ واضح ہو جاتی، اس ناکارہ کے رسالہ ''فضائل ذکر'' میں حافظ ابن قیمؒ کی کتاب ''الوابل الصیب'' سے ذکر کے سو کے قریب فوائد نقل کئے ہیں جن میں شیطان سے حفاظت کی بہت سی وجوہ ذکر کی گئی ہیں، شیاطینی اثر ہی سارے فتنوں اور فساد کی جڑ ہیں ''فضائل



ذکر'' سے یہ مضمون اگر جناب سن لیں تو میرے مضمون بالا کی تقویت ہوگی، اسکے بعد میرا مضمون تو اس قابل نہیں جو اہل مدارس پر کچھ اثر انداز ہو سکے، آپ میری درخواست کو زور دار الفاظ میں نقل کرا کر اپنی یا میری طرف سے بھیج دیں تو شاید کسی پر اثر ہو جائے۔

دارالعلوم، مظاہر علوم اور شاہی مسجد کے ابتدائی حالات آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہیں کہ کن صاحب نسبت اصحاب ذکر کے ہاتھوں ہوئی ہے، انہی کی برکات سے یہ مدارس اب تک چل رہے ہیں، یہ ناکارہ دعاؤں کا بہت محتاج ہے، بالخصوص حسن خاتمہ کا کہ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے۔

والسلام

(حضرت شیخ الحدیث، بقلم حبیب اللہ)

(۳۰ نومبر ۷۵ء، مکۃ المکرمۃ)

## حضرت مولانا بنوریؒ نے خط کے جواب میں تحریر فرمایا

### مخدوم گرامی مفاخر ہذہ العصور حضرت شیخ الحدیث

رفع اللہ تعالی درجاتہ وافاض علینا من برکاتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جب سے میں کراچی پہونچا ہوں عریضہ لکھنے کا ارادہ کرتا رہتا ہوں لیکن توفیق نہیں ہوئی، ایک طرف مشاغل کا ہجوم، دوسری طرف کسل کا ہجوم، آپ کو تو حق تعالے نے حسن نظم کی توفیق عطا فرمائی ہے ہر کام وقت پر ہو جاتا ہے میں اس نعمت سے محروم ہوں اللہ تعالے رحم فرمائے آمین۔

عزیزم محمد سلمہ نے آپ کا مکتوب مبارک دیا، بلکہ سنایا دوبارہ خود بھی پڑھا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی عیادت وزیارت کے لئے دارالعلوم گیا تھا، وہاں بھی میں نے ذکر کیا فرمایا کہ زبانی بھی اس کا تذکرہ آیا تھا، اساتذہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا شوری کا اجلاس تھا، اس مجلس میں مکتوب مبارک سنایا گیا، اور عمل کرنے کیلئے تدبیر ومشورہ پر غور بھی ہوا، بات تو بالکل واضح ہے، ذکر اللہ کی برکات وانوار سے جو نتائج مرتب ہونگے وہ بھی واضح ہیں، اور میں اس کی تلافی کیلئے ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا کہ ہر مدرسہ کے ساتھ ایک خانقاہ کی ضرورت ہے۔

ہمارے اکابر کا جو اخلاص اور تعلق مع اللہ کے مجسمہ تھے، وہ محتاج بیان نہیں، انکی تدریس وتعلیم سے غیر شعوری طور پر ایسی تربیت ہوئی تھی اور انکی قوت نسبت سے اتنا اثر ہوتا تھا کہ درس سے فراغت کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی ذاکر اعتکاف سے باہر آرہا ہے، بلاشبہ کاملین کا دور ختم ہوا تو انکی تکمیل کیلئے اسی قسم کی تدابیر کی ضرورت ہے حق تعالی جلد سے جلد عملی طور پر اسکی تشکیل نصیب فرمائے۔

البتہ ایک اشکال ذہن میں آیا کہ ویسے تو علوم دین، تدریس کتب دینیہ سب ہی ذکر اللہ کے حکم میں ہیں، اگر اخلاص اور حسن نیت نصیب ہو، اور ذکر اللہ بھی اگر خدانخواستہ ریاکاری سے ہو تو عبث بلکہ وبال جان ہے لیکن اگر کسی درسگاہ میں تعلیم قرآن کا شعبہ بھی ہے اور بچے تعلیم قرآن اور حفظ قرآن میں مشغول ہیں، اور الحمدللہ کہ ایسے مدارس بھی ہیں جہاں معصوم بچے اور مسافر بچے شب وروز میں بلاشبہ بارہ گھنٹہ تلاوت قرآن میں مشغول رہتے ہیں، مقصد بھی الحمدللہ بہت اونچا اور نیت بھی صالح تو کیا یہ ذکر اللہ ان ذاکرین کے ذکر کی جگہ پر نہیں کرسکتے؟

اور یہ سلسلہ اگر اس طرح جاری وساری ہے، تو الحمدللہ اچھا خاصا بدل مل جاتا ہے، ظاہر ہے کہ عہد نبوت میں یہ سلاسل وطرق کا نظام تو نہیں تھا بلکہ تلاوت قرآن کریم مختلف



اوقات واعمال کے اذکار وادعیہ پھر صحبت مقدسہ قیام لیل وغیرہ کی صورت تھی، بظاہر اگر اس قسم کی کوئی صورت مستقل قائم ہو شاید فی الجملہ بدل بن سکے گا، ہاں یہ درست ہے کہ ذکر جہرا ہوگا، بصورت مشائخ طریقت ذاکرین کا سلسلہ شاید قصدا وارادۃ ہوگا، شاید کچھ فرق ملحوظ خاطر عاملہ ہوگا۔

بہرحال مزید رہنمائی کا محتاج ہوں، مجھے اپنے ناقص ہونے کا بے حد افسوس ہے کاش رسمی تکمیل ہو جاتی تو محض افادیت ونفع ن [illegible] سے متعارف سلسلہ بھی جاری کرتا، اور اس طرح ایک خانقاہی شکل بھی بن جاتی، یہ چیز واضح ہے کہ عام طور پر طلبہ تعلیم کے زمانہ میں اپنی تربیت واصلاح کی طرف قطعا متوجہ نہیں ہوتے اور یہ پہلو بے حد دردناک ہے، جب مدرسین بھی اس اقوی نسبت سکینہ کے حامل نہ ہوں، اور طلبہ بھی اپنی اصلاح سے غافل ہوں اذکار وادعیہ کا التزام بھی نہ ہو، دور فتنوں کا ہو، حفت النار بالشهوات کا منظر قدم قدم پر ہو، تو ذکر اللہ کی کثرت کے بغیر چارہ کار نہیں۔ میں آپکے خاص دعوات وتوجہات کا محتاج ہوں، وقت کے ضیاع کا صدمہ ہے۔ لایعنی باتوں میں مشغولیت کا خطرہ رہتا ہے

والسلام مع العرف الاحترام مسک الختام۔

محمد یوسف عفی عنہ

(۹ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ)

## جواب از حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ

### المخدوم المکرم حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب زادمجدھم

بعد سلام مسنون!

طویل انتظار کے بعد رات عشاء کے بعد ۲۰ جنوری کی شب میں رجسٹری پہونچی آپ کے مشاغل کا ہجوم تو مجھے بہت معلوم ہے اور آپ کی ہمت ہے کہ بیک وقت اتنے مشاغل کو

کس طرح تمناتے ہیں۔ سیاسی، علمی، اور اسفار اور مجھے یہ اندیشہ تھا کہ وہ رجسٹری کہیں گم نہ ہوگئی ہو، عزیز محمد سلمہ کسی آنے والے کے ہاتھ آپ کی خدمت تک اس کا پہونچ جانا لکھ دیتا تو اطمینان ہوتا آپ نے بہت اچھا کیا کہ اپنی مجلس شوری میں میرے عریضہ کو سنایا کم سے کم ان سب حضرات کے کانوں میں تو یہ مضمون پڑ گیا۔

خدا کرے کسی کے دل میں بھی یہ مضمون اتر جائے تقریبا دو سال ہوئے مفتی محمد شفیع صاحب کا ایک خط آیا تھا انہوں نے تحریر فرمایا تھا کہ تیری آپ بیتی میں مدرسین اور ملازمین کیلئے جو مضمون ہے مجھے بہت پسند آیا، اور میں نے اپنے یہاں سب مدرسین اور ملازمین کو جمع کر کے بہت اہتمام سے اسکو سنوایا۔

عزیز محمد کے خط سے معلوم ہوا کہ جناب نے میرا خط اپنی تمہید کے ساتھ بینات میں طباعت کیلئے دیدیا، مجھے تو یاد پڑتا ہے کہ میں نے اپنے عریضہ میں لکھا تھا کہ آپ اپنے الفاظ میں اس مضمون کو تحریر فرمائیں تو انشاء اللہ تعالی زیادہ مؤثر ہوگا اسمیں کوئی تواضع یا تصنع نہیں کہ میری تحریر بے ربط ہوتی ہے کہ بولنے کا سلیقہ نہ لکھنے کا، آپ نے اپنے اکابر کے متعلق جو لکھا وہ حرف بحرف صحیح ہے، بہت سے اکابر کی صورتیں خوب یاد ہیں، حضرت گنگوہی قدس سرہ کے دور سے ان اکابر کو بہت کثرت سے دیکھنے کی نوبت آئی بلا مبالغہ صورت سے نور ٹپکتا تھا، اور چند روز پاس رہنے سے خود بخود طبائع میں دین کی عظمت اللہ کی محبت پیدا ہوتی تھی، حضرت گنگوہی قدس سرہ کے متعلق بہت سے جاہلوں کے میں نے خود دیکھا کہ بیعت ہونے کے بعد تہجد نہیں چھوٹی، اور بعض جاہلوں کو تو یہاں تک دیکھا ہے کہ کوئی نیا مولوی اپنے وعظ میں کچھ ادھر ادھر کی کہہ دیتا تو وہ آکر پوچھتے کہ فلاں مولوی صاحب نے وعظ میں یوں کہا ہے۔

نانگل کے قریب ایک گاؤں تھا، اس وقت نام تو یاد نہیں رہا، میرے دوست کہتے ہیں



کہ آپ بیتی میں یہ قصہ آ گیا ہے، یہاں کے ایک رہنے والے جن کو میں شاہ جی کہا کرتا تھا ہر جمعہ کو سردی ہو یا گرمی یا بارش ہو ہر جمعہ کا نانگل سے پیدل چل کر جمعہ حضرت گنگوہی کے یہاں پڑھا کرتا تھا اور جمعہ کے بعد حضرت گنگوہی کی مجلس میں شریک ہو کر عصر سے پہلے چل کر عشاء کے بعد اپنے گھر پہونچ جایا کرتا تھا، اور حضرت شیخ الہند کا قصہ تو مشہور ہے کہ جمعرات کی شام کو مدرسہ کا سبق پڑھا کر ہمیشہ پیدل گنگوہ تشریف لے جایا کرتے تھے اور شنبہ کی شب میں عشاء کے بعد یا تہجد کے وقت گنگوہ سے چل کر شنبہ کی صبح کو دیوبند میں سبق پڑھایا کرتے تھے، یہ مناظر آنکھوں میں گھومتے ہیں اور دل کو تڑپاتے ہیں۔

آپ نے جو اشکال کیا وہ بالکل صحیح ہے مگر اس تالی کے ساتھ مقدم کا تحقق ہو جائے تو سب کچھ ہے یقیناً قرآن پاک کی اور حدیث کی تعلیم تو بہت اونچی ہے اور اس میں سب کچھ ہے اس کا مقابلہ کوئی چیز کر سکتی ہے؟

مگر تابعین کے زمانہ سے قلبی امراض کی کثرت ہے، اس زمانہ کے مشائخ کو ان علاجوں کی طرف متوجہ کیا جیسا کہ امراض بدنیہ میں ہر زمانہ کے اطباء نے نئے نئے امراض کیلئے نئی نئی دوائیں ایجاد کیں، ایسے ہی اطبائے روحانی نے قلوب کے زنگ کیلئے ادویہ اور علاج تجویز کئے، میری نگاہ میں بھی ایسے اشخاص گذرے ہیں جو دورہ سے فراغ پر صاحب نسبت ہو جاتے تھے، نبی کریم ﷺ کی نگاہ کی تاثیر سے دل کے غبار چھٹ جاتے تھے، اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین نے خود اعتراف کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دفن سے ہم نے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ اپنے قلوب میں تغیر پانے لگے (اَوْ کما قال)۔

اس قوت تاثیر کا نمونہ امت کے افراد میں بھی پایا گیا، چنانچہ حضرت سید صاحبؒ کے لوگوں میں بہت سے ایسے ہیں جن کو بیعت کے ساتھ ہی اجازت مل گئی، اس کے نظائر تو آپ کے علم میں مجھ سے زیادہ ہونگے، حضرت میاں جی صاحب نور اللہ تعالے مرقدہ کے

یہاں تلاوت قرآن کے درمیان میں ہی بہت سے مراحل طے ہوجایا کرتے تھے، مگر یہ چیز تو قوت تاثیر اور کمال تاثر کی محتاج ہے، جو ہر جگہ حاصل نہیں ہوتا، کہیں یہ چیز حاصل ہوجائے تو یقیناً ذکر و شغل کی ضرورت نہیں، یہ طرق وغیرہ تو سارے مختلف انواع علاج ہیں، جیسا ڈاکٹری، یونانی، ہومیو پیتھک وغیرہ، اطبائے بدنیہ نے تجربوں سے تجویز کیے ہیں۔

اسی طرح اطبائے روحانی نے بھی تجربات یا قرآن وحدیث کے استنباطات سے امراض قلبیہ کے علاج تجویز فرمائے کہ قرآن پاک واحادیث میرے خیال میں مقویات اور جواہرات ہیں لیکن جس کو پہلے معدہ کے صاف کرنے کی ضرورت ہو اس کو تو پہلے اسہال کیلئے ہی دوا دیں گے، ورنہ یہ قوی غذائیں ضعف معدہ کے ساتھ بجائے مفید ہونے کے مضر ہوجاتی ہیں، آپ نے فرمایا کہ مزید رہنمائی کا محتاج ہوں، میں آپ کی کیا رہنمائی کرسکتا ہوں:

''او کہ خود گم است کرا رہبری کند''

چونکہ طلبہ میں اب (جیسا کہ آپ نے بھی لکھا) بجائے تلاوت کے لغویات کی مشغولی رہ گئی، بلکہ بعض میں تو انکار اور استکبار کی نوبت آجاتی ہے، اسی لئے اسکی ضرورت ہے کہ قرآن وحدیث اور اللہ تعالی کی محبت پیدا کرنے کے لئے کوئی لائحہ عمل آپ جیسے حضرات غور سے تجویز فرمائیں۔

پہلے ہر شخص کو اپنی اصلاح کی خود فکر تھی وہ خود ہی امراض کے علاج کیلئے اطباء کو ڈھونڈتے تھے، اب وہ امراض قلبیہ سے اتنے بیگانہ ہوچکے ہیں کہ مرض کو مرض بھی نہیں سمجھتے، کیا کہوں اپنے مافی الضمیر کو اچھی طرح ادا کرنے پر قادر بھی نہیں، اور ان مہمانان رسول کی شان میں تحریر میں کچھ لانا بھی بے ادبی سمجھتا ہوں، ورنہ اہل مدارس کو سب کو ان کے تجربات خوب حاصل ہیں کہ جماعت اور تکبیر اولی کے اہتمام کے بجائے سگریٹ اور



چائے نوشی میں جماعت ہی جاتی رہتی ہے فالی اللہ المشتکی۔

آپ نے تو میرے مافی الضمیر کو خود ہی اپنی تحریر میں واضح فرمادیا آپ جیسے ناقص تو ہم جیسے کاملوں سے بہت اونچے ہیں میرا واضح مطلب تو آپ اور مفتی شفیع صاحب وغیرہ بقیۃ السلف کو اس لائن کی طرف متوجہ کرنا تھا کہ یہ پہلو بھی آپ کے ذہن میں رہے تو زیادہ اچھا تھا۔

میری بے ربط تحریرات تو اشاعت کے قابل نہیں ہوتی، آپ حضرات حسن تدبیر، حسن رائے سے مدارس عربیہ کے طلبہ کو کم سے کم قرآن وحدیث کی عظمت اور اس سے محبت پیدا کرنے والے کی کوئی تجویز فرمائیں تو بہت حد تک اصلاح کی امید ہے، ورنہ آپ یہ دیکھ ہی رہے ہیں کہ قرآن وحدیث کے پڑھنے پڑھانے کا اسٹرائکوں سے مقابلہ کیا جارہا ہے۔

فقط والسلام

(از حضرت شیخ الحدیث صاحب، بقلم حبیب اللہ)

(۲۰ جنوری ۷۶ء، مدینہ طیبہ)

## اس پر حضرت بنوریؒ کا جواب آیا

## مخدوم گرامی حضرت شیخ الحدیث زادہم اللہ برکات وحسنات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تحیۃ من عند اللہ مبارکۃ طیبۃ

والا نامہ گرامی نے ممنون ومشرف فرمایا، جواب میں حسب عادت تاخیر ہوتی جاتی ہے، اب تو یہ تقصیر عادت ہی بن گئی، الحمد للہ تعالے کہ قلمی ہے قلبی نہیں، سابق مکتوب برکت مختصر تمہید کے ساتھ بینات میں شائع ہوگیا، آپ کے کلمات میں جو تاثیر ہوگی ہماری روایت

بالمعنی اور تشریح میں کہاں وہ برکت؟ اس لئے ان کلمات کو بعینہا شائع کرنا قرین مصلحت سمجھا اور اسلئے ادبًا تقبیل حکم سے قاصر رہا میں تو کسی کی جوتوں کے صدقہ کچھ لکھ لیتا ہوں، ورنہ اردو کہاں اور ہم کہاں!

خیر! حق تعالے جزئے عطا فرمائے کہ تفصیلی جواب سے سرفراز فرمایا اور بہت کچھ باتیں آجاتی ہیں اور ہمیں اور دوسروں کو استفادہ کا موقعہ مل جاتا ہے، لیکن مخدوما! میرا مقصد طرق وسلاسل ومشائخ کے اذکار واعمال واشتغال ومراقبات ومجاہدات کی افادیت ہرگز نہ تھا، الحمدللہ تعالے کہ ان پر قلب مطمئن ہے کہ امراض نفوس کا بھی علاج ہے، اور ان تدابیر کے سوا چارہ کار نہیں، اور اگر امراض نہ ہوں تو شارع علیہ السلام نے جو غذائے روحانی مقرر فرمائی ہے اور فرض قرار دیدیا ہے وہی نسخہ شفاء مزید کی حاجت ہی نہیں، مقصد شبہ کا صرف اتنا تھا کہ ذکر اللہ کی برکات وانوار تو بہر حال درس قرآن، حفظ قرآن، تلاوت قرآن سے حاصل ہوجاتے ہیں، طلبہ کے نفوس کا علاج وہ نہیں بلاشبہ اس کیلئے مخصوص طرق علاج کی ضرورت ہے، اسلئے گذارش تھی کہ ہر درسگاہ کے ساتھ ایک خانقاہ کی بھی ضرورت ہے جو طلبہ فارغ ہوں اس سے وابستہ ہوں اور کچھ عرصہ اس مقصد کیلئے اقامت بھی کریں، خدا کا شکر کہ آپ کی خواہش ذاکرین کے اجتماع اور اجتماعی ذکر کی تدبیر کی گئی، اس ہفتہ اس کا افتتاح بھی ہوجایگا (انشاء اللہ تعالی).

کچھ طلبہ ہفتہ وار مکی مسجد بھی جایا کرتے ہیں، امسال جو طلبہ فارغ ہوں گے ان میں تیرہ طلبہ نے ایک سال کیلئے تبلیغ میں وقت لگانے کا عزم کرلیا ہے، اور نام بھی لکھوادیئے ہیں، اور ایک چلہ والے تو بہت ہیں، انشاء اللہ تعالی اگر آپ کی دعائیں اور توجہات دونوں شامل حال رہیں تو انشاء اللہ تعالی مافات کی تلافی ہوتی رہے گی، آپ کا دوسرا گرامی نامہ بھی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے چند اساتذہ کے مجمع میں سنادیا بہت محظوظ ہوئے وہ آپ کی



تدبیر وتجویز پر عمل سوچ رہے ہیں، بہت عجلت اور تشویش خاطر میں چند سطریں گھسیٹ دی ہیں تاکہ مزید تاخیر نہ ہو۔

والسلام

محمد یوسف بنوری

(۳ صفر ۱۳۹۶ھ)

## جواب از حضرت شیخ الحدیثؒ

**المخدوم المکرم حضرت مولانا الحاج محمد یوسف صاحب**

**بنوری زادت معالیکم**

بعد سلام مسنون!

گرامی نامہ مورخہ ۳ صفر بذریعہ رجسٹری پہونچا، اور بینات کا وہ پرچہ بھی پہنچ گیا، جس میں جناب نے اس ناکارہ کا وہ خط بھی طبع کردیا، میں نے لکھا تھا کہ میرا مضمون بعینہ نہ چھاپا جائے بلکہ میرے مضمون کو اپنے الفاظ میں مفصل تحریر فرمائیں وہ محض تواضع نہیں بلکہ تحریر وتقریر پر عدم قدرت منشاء تھا، مگر جناب کے گرامی نامہ سے معلوم ہوا کہ جناب نے از راہ محبت اس کو بعینہ شائع فرمادیا، اللہ تعالے آپ کی اس محبت کو طرفین کیلئے دینی ترقیات کا ذریعہ بنائے اس سے بہت مسرت ہوئی کہ جناب نے اس ناکارہ کی درخواست پر خانقاہ کا افتتاح بھی فرمادیا، اللہ تعالے برکت فرمائے مثمر ثمرات بنائے، میرے مضمون پر کوئی تائید یا تنقید کسی کی طرف سے آئی ہو تو مطلع فرمائیں، کسی اور مدرسہ نے اس پر توجہ کی یا نہیں؟

یہ امنگیں تو میرے سینہ میں کئی سال سے چل رہی ہیں اور اپنی طرف سے تدبیریں بھی اس کی کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں مگر ذکر کی طرف توجہ اب کم ہوتی جارہی ہے، اور چونکہ اکابر کے زمانہ سے طلبہ کو اس سے الگ رکھا گیا اسلئے عام طور سے ذہنوں میں اسکی اہمیت بھی کم

سلسلہ قائم کرنے کی ضرورت بڑھتی جارہی ہے، مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی بہت اہتمام سے اس پر لبیک فرمائی تھی، اور شروع کرنے کا وعدہ بھی فرمایا تھا آپ کی مساعی جمیلہ سے اگر مدرسوں میں ذکر کا سلسلہ شروع ہوگیا تو میرا خیال ہے کہ بہت سے فتنوں کا سد باب ہوجائیگا۔

مصر سے مولوی عبدالرزاق صاحب کا خط آیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ وہ فتنہ ''مودودیت'' کی تعریب کے کام میں مشغول ہیں انہوں نے شاہد کے نام ایک پرچہ بھیجا تھا جس میں اسکی روایات حدیث کا حوالہ لکھنے کو لکھا تھا عزیز شاہد ان کو لکھ رہا ہے، یہاں کتابیں کم ملتی ہیں، بلکہ زیادہ تر مصری ملتی ہیں، اسلئے اسکی تلاش میں دیر لگ رہی ہے، میرے مسودات میں کتابیں وہی ہوتی ہیں جو بہت قدیم چھپی ہوئی ہیں ان ہی میں پڑھا پڑھایا اور ان ہی سے دل چسپی ہے میری ابوداود وہ ہے جس میں میرے والد صاحبؒ نے (۱۲ھ) میں حضرت گنگوہیؒ سے ابوداود شریف پڑھی، بہت قدیم نسخہ ہے، اسی میں انہوں نے پڑھایا وہی پھر میرے پاس رہا، نئی مطبوعات باوجود بہت واضح اور صاف ہونے کے مجھے مناسبت ان ہی کتابوں سے ہے جو بہت پرانی ہیں، نئی کتابیں میرے لئے ایسی ہی اجنبی ہیں جیسے ممالک عربیہ والوں کیلئے لیتھو کی طباعت۔

اللہ تعالے اپنے فضل وکرم سے جناب کی صحت وقوت میں اضافہ فرمائے، اور اپنی رضاومرضیات پر زیادہ سے زیادہ کام لے۔

فقط والسلام

(حضرت شیخ الحدیث، بقلم حبیب اللہ)

(۱۶ فروری ۷۶ھ، مدینہ طیبہ)

(ماخوذ از: آپ بیتی، ج ۲ حصہ ۷، ص ۱۴۱۴ تا ۱۴۳۳)



## دین کے محافظ علماء حق ہیں

اسلام خالق کائنات کا پسندیدہ اور کامل ترین دین ہے، وہی اس کا شارع اور قانون ساز ہے، اس نے نوع انسانی کی آخری ہدایت کے طور پر نبی آخر الزماں ﷺ کے توسط سے اس کو اتارا ہے، اور اس کا حامل اور محافظ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے علماء حق کو بنایا ہے ارشاد ہے:-

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ
وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

ترجمہ: چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت تیار ہو وہ خیر (دین) کی طرف لوگوں کو دعوت دیں، بھلے کاموں کا حکم دیں برے کاموں سے منع کریں۔

نیز ارشاد ہے:-

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا
فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ﴾

ترجمہ: کیوں نہ نکلا ان میں سے ہر فرقہ کا ایک گروہ تا کہ وہ دین میں سمجھ حاصل کرتا اور جب وہ لوٹ کر جاتا تو اپنی قوم کو باخبر کرتا۔

چنانچہ علماء امت نے اللہ جل شانہ کی توفیق واعانت سے ہر زمانہ اور ہر دور میں اس کو حاصل کیا ہے اس کے حصول کو جاری وساری رکھنے اور اسکی حفاظت کے لئے معاون علوم کی تدوین کی ہے، تصانیف لکھی ہیں علوم دینیہ کی درسگاہیں قائم کی ہیں اور قرآن وحدیث اور انکے معاون علوم دینیہ کی درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا ہے یہ سلسلہ محض اللہ کی توفیق واعانت سے (حکومتوں کی امداد واعانت اور کنٹرول کے بغیر) صدیوں سے جاری ہے، اور

ایسے ہی قیامت تک جاری رہے گا، مخبر صادق نے خبر دی ہے:-

"یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ" الخ

جو کوئی فرد یا قوم یا حکومت اس کو مٹانے اور نوع انسانی کے اس آخری "منارہ نور" کو گل کرنے کا قصد کرے گا اسکی زندگی کا چراغ خود گل کر دیا جائے گا، اور صفحہ ہستی سے اس کا نام ونشان مٹا دیا جائے گا، اور یہ منارہ روشنی جب تک اللہ چاہے گا رشد وہدایت کی روشنی بہم پہنچاتا رہے گا، ارشاد ہے:-

﴿یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِم
وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ﴾

ترجمہ: وہ (دشمن) چاہتے ہیں کہ اللہ کو نور بجھا دیں اور اللہ اپنے نور (دین) کو پورا کر کے رہے گا اگرچہ منکروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

اور اس سلسلہ کا حقیقی محافظ خالق کائنات حق جل وعلا ہے ارشاد ہے:-

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ﴾

ترجمہ: بے شک ہم ہی نے اس ذکر (دین) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اب اگر کوئی فرد یا جماعت، حکومت یا قوم اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودنا اور ہلاکو خاں چنگیز خاں، اکبر اور اسکے ہر دو شیطان ابوالفضل اور فیضی، کمال اتاترک اور آخر میں مسلم اشتراکیت نواز ممالک کے زعماء اور برسر اقتدار پارٹیوں کے نقش قدم پر چل کر خودکشی کرنا چاہتی ہے، شوق سے کرے، علمائے دین اور حاملین شرع متین بھی سر بکف، برہنہ جسم پر تازیانے کھانے، دار ورسن پر چڑھنے اور دم واپسیں تک کلمہ حق کہتے رہنے کے لئے تیار ہیں، علماء کے لئے بھی یہ کھیل کوئی نیا کھیل نہ ہوگا بلکہ یہ مقاومت اور مقابلہ اور آزمائش تو ان کے اسلاف واکابر کی سنت ہے، اس کے باوجود ارحم الراحمین سے دعا ہے کہ وہ پاکستان



کے علماء حق کو اس ابتلاء سے محفوظ رکھے اور اپنی پناہ میں لے کر اس دینی خدمت کے سلسلہ کو جاری وساری اور قائم ودائم رکھے آمین۔

## دور حاضر میں علماء ودینی طلباء کے خلاف خطرناک سازش

یہ زمانہ ڈپلومیسی اور چالبازی کا ہے، جس مخالف اور بزعم خود دشمن طبقہ اور اسکے مراکز کے خلاف جنگ کرنی ہوتی ہے، میدان حرب وضرب اور جبر واستبداد میں گرم جنگ لڑنے سے برسوں پہلے میدان صحافت میں سرد جنگ لڑی جاتی ہے یعنی پہلے اس کے خلاف اخبارات ورسائل میں مضامین ومقالات شائع ہوتے ہیں تاکہ زمین یعنی رائے عامہ کو اس کے خلاف ہموار کرلیا جائے اس کے بعد حکومت کی کنٹرولنگ مشینری حرکت میں آتی ہے، اور ابتداء صرف حکومت سے رکگنیشن یعنی الحاق کی دعوت دی جاتی ہے ساتھ ساتھ ایڈ (مالی امداد) کا لقمہ چرب وشیریں ارباب مراکز ومدارس کے منتظمین کے سامنے ڈالا جاتا ہے اگر یہ حربہ کامیاب نہیں ہوتا تو پھر قانون کے ذریعہ رکگنیشن (الحاق) پر مجبور کیا جاتا ہے اس کے بعد نصاب اور درسی کتابوں میں کتر بیونت کی جاتی ہے، قدیم علوم کی ٹھوس قابلیت پیدا کرنے والی کتابیں نکال کر انکی جگہ عصری علوم وفنون کی کتابیں لائی جاتی ہیں اس طرح دینی علوم کی جان تو نکال ہی لی جاتی ہے اسی کے ساتھ ان ملحقہ مدارس کی سندوں کو وزارت تعلیمات سے منظور کرا دیا جاتا ہے اور سرکاری، نیم سرکاری تعلیمی اور غیر تعلیمی اداروں میں ملازمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، یہ طلبہ کے لئے لقمہ چرب وشیریں ڈالا جاتا ہے اور پورے ملک سے ماہرین علوم دینیہ کو کھینچ لینے اور آزاد عربی مدارس کو ویران کردینے کی غرض سے ان نیم سرکاری یا سرکاری درسگاہوں میں کام کرنے والے ماہرین ومحققین علوم دینیہ کے لئے گرانقدر مشاہروں والاونسز کے اعلان کئے جاتے ہیں، انکی

سالانہ ترقی اور آخری تنخواہ کے "منہ میں پانی بھرلانے والے" گریڈ مقرر کیئے جاتے ہیں، یہ آزمودہ کار علماء و محققین کے زبان وقلم کو حکومت کے خلاف بولنے اور لکھنے سے باز رکھنے کیلئے طلائی زنجیریں تیار رکی جاتی ہیں ان تدبیروں کے بعد بھی جو دین کو دنیا پر ترجیح دینے پر ایمان رکھنے والے علماء حق اور آزاد مدارس دینیہ عربیہ کے اساتذہ اور مبلغین و واعظین وخطباء اس دام ہمرنگ زمین میں گرفتار ہوکر اپنی کلمہ حق کہنے کی آزادی قربان کرنا نہیں چاہتے، انکے خلاف حکومت کا قانون حرکت میں آتا ہے، اول انکی قدر کفاف روزی پر حملہ کیا جاتا ہے اور ڈپٹی کمشنر کی منظوری کے بغیر پبلک سے چندہ وصول کرنا قانوناً ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے، پھر ان کے گوشہ عافیت پر یورش ہوتی ہے اور محکمہ اوقاف کے ذریعہ یادگار صفہ مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام یعنی مدارس عربیہ اور مکاتب دینیہ کی عمارتوں پر قبضہ کر کے انھیں خانماں برباد کردیا جاتا ہے، خدا کے گھروں یعنی مسجدوں پر قبضہ کیا جاتا ہے اور محکمہ اوقاف کے ذریعہ غیر سند یافتہ مؤذنین، ائمہ اور خطباء کے لئے مسجدوں کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، اوقاف کی قائم کردہ منتظمہ کمیٹی کے سیکریٹری سے اعلان کرادیا جاتا ہے کہ سیکریٹری کی اجازت کے بغیر کوئی بھی عالم دین مسجد میں وعظ نہیں کہہ سکتا، پبلک جلسوں میں علماء کو کلمہ حق کہنے سے روکنے کے لئے دفعہ ۱۴۴ لگادی جاتی ہے ان علماء ومبلغین وواعظین کو جن سے حکومت کے خلاف بولنے کا خطرہ ہوتا ہے کسی خاص علاقہ میں انکی بستی میں یا گھروں میں قانون تحفظ امن عامہ کے تحت نظر بند کردیا جاتا ہے یا زبان بندی کردی جاتی ہے اور جن علماء حق کے ملک میں موجود ہونے کو ہی حکومت اپنے مفاد کے لئے مضر سمجھتی ہے انکو جلاوطن کردیا جاتا ہے تاآنکہ علماء حق کے لئے قانون شکنی کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا اور وہ قانون شکنی پر آمادہ ہوجاتے ہیں، تب گرم جنگ شروع ہوتی ہے اور جیلوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اگر جیلوں کی وحشیانہ اور ننگ انسانیت



ایذارسانیاں بھی ان کو حق بات کہنے سے نہیں روک سکتیں تو حکومتیں انکو سولی پر چڑھادینے میں بھی دریغ نہیں کرتیں اور علماء حق امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کی سنت کو بے دریغ زندہ کرتے ہیں اور قید وبند کی تمامتر سختیوں بلکہ موت فی سبیل اللہ کو بھی لبیک کہتے ہیں۔

یہ ہوتے ہیں علماء حق پیدا کرنے والی علوم دینیہ کی درس گاہوں اور علماء حق کے بابرکت وجود کو کسی روئے زمین سے مٹانے کے دہ سالہ اور پنج سالہ منصوبے اور انکے مختلف مرحلے سادہ لوح عوام ان سے قطعاً ناواقف ہیں مگر علماء حق ان سے خوب اچھی طرح واقف ہیں اور اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں ہر مزاحمت کا مقابلہ کرنے اور ہر ظلم وجور کو سہنے اور ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہیں، مگر کسی مرحلہ پر بھی علوم دینیہ کی حفاظت کا فرض انجام دینے اور حکومت کے اثر سے آزاد دینی خدمت انجام دینے کی سعادت سے کسی قیمت پر بھی دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں، وما توفیقنا الا باللّٰہ ھو مولانا نعم المولی ونعم النصیر۔

یہی وہ ہتھکنڈے ہیں جس کے ذریعہ موجودہ عہد میں تمام اسلامی ملکوں کی حکومتوں نے آزاد علوم عربیہ دینیہ کی درس گاہوں اور مکتبوں کو علوم آخرت اور علوم انبیاء سے یکسر خالی کیا ہے، انہی اسلامی ملکوں کا نام مدارس عربیہ کے خلاف حالیہ سرد جنگ میں باربار لیا جارہا ہے، آج یہ تمام اسلامی ممالک علوم کتاب وسنت یعنی علم تفسیر واصول تفسیر، علم حدیث واصول حدیث، علم فقہ واصول فقہ اور انکے معاون علوم کی ٹھوس اور باضابطہ تعلیم اور درس وتدریس سے یکسر محروم اور خالی ہوچکے ہیں، اس وقت برصغیر پاکستان وہندوستان کے سوا اور کسی ملک میں حکومتوں کے اثر سے آزاد علوم دینیہ کی درس گاہوں اور دینی مکتبوں کا وجود باقی نہیں رہا ہے، اور صرف انہی دونوں ملکوں میں مذکورہ بالا علوم کتاب وسنت کی باضابطہ درس وتدریس اور تحفیظ وتجوید کلام اللہ کے سلسلے جاری ہیں اور اس آخیر زمانہ کے حسب حال علماء وحفاظ

ومجودین قرآن، واعظین ومبلغین انہی دوملکوں میں ان درسگاہوں سے فارغ ہوکر نکل رہے ہیں اور مختلف دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور انکی مساعی کی بدولت دینی روح جس درجہ میں بھی ہے زندہ ہے اور ان دونوں ملکوں کے مسلمانوں کا مزاج بہر حال دینی ہے جو لوگ عہد حاضر کے ممالک اسلامیہ کی درسگاہوں کو قریب سے دیکھ چکے ہیں یا انکی اصلیت سے باخبر ہیں وہ ہمارے اس بیان کی تصدیق وتائید کریں گے نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ علوم شرعیہ کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں شیخ التفسیر، شیخ الحدیث اور شیخ الفقہ جیسے خالص دینی منصبوں پر تقرر کی پہلی اور لازمی شرط یہ ہے کہ امیدوار عالم دین حقیقی معنی میں ہو یا نہ ہو مگر امریکن یا یورپین ممالک کی کسی یونیورسٹی سے اس نے پی ایچ ڈی ضرور کیا ہو یعنی یورپ ریٹرن اور مغرب زدہ ضرور ہو یہودیوں اور نصرانیوں کا تریاق نما زہر جو اسلامی روح کے لئے سم قاتل ہے اس نے چار سال تک ضرور پیا ہو۔

اس لئے اب علوم دینیہ عربیہ اور علماء دین پیدا کرنے والی عربی درس گاہوں کی حفاظت ان ملکوں کے علماء حق پر فرض کفایہ نہیں رہی بلکہ فرض عین ہوگئی ہے۔

اگر فی الحقیقت حکومت کی نیت نیک ہے اور وہ واقعی ان مدارس عربیہ کے فارغ التحصیل طلبہ کو عصری علوم، عالمی حالات حاضرہ اور انگریزی زبان سے واقف بنا کر ان کو دینی خدمات انجام دینے کے لئے زیادہ کارآمد اور انکی اسلامی دینی خدمات کو زیادہ مؤثر اور دور رس بنانا چاہتی ہے تو جیسا کہ اس کو اب سے تین سال پہلے وفاق مدارس عربیہ کی جانب سے مشورہ دیا جا چکا ہے، ان مدارس عربیہ اور مکاتب دینیہ کو اور انکے درسی نصابوں کو علی حالہ قائم رہنے دے اور کام کرنے دے، ہاں انکے فارغ التحصیل طلبہ کے لئے علماء حق کے باہمی مشورہ سے صرف علوم عصریہ اور انگریزی زبان کا ایک چہار سالہ نصاب الگ تجویز کرے اور اس کے لئے دو تین مستقل درس گاہیں مرکزی شہروں مثلاً کراچی، لاہور، راولپنڈی یا پشاور



میں قائم کرے یا موجودہ بڑے بڑے مدرسوں میں ہی یہ چہار سالہ نصاب اپنے خرچ پر یا اگر ان مدارس کے فنڈ میں گنجائش ہو تو انہی کے خرچ پر قائم کرے اور صرف دینی خدمات کے مناصب کیلئے اس کی سند کو تسلیم کرے (دفتری ملازمتوں کیلئے نہیں) تو ان علماء کی دینی خدمات زیادہ مؤثر اور دور رس ہو سکیں گی اور قدیم علوم دینیہ کی باضابطہ اور ٹھوس تعلیم اور دینی تربیت کو نقصان پہنچائے بغیر یہ طلبہ عصری علوم، حالات حاضرہ اور انگریزی زبان سے ناواقفیت کے نقص کو دور کرسکیں گے اور حقیقی معنی میں علوم عصریہ سے واقف علماء دین بن سکیں گے اور اندرون ملک وبیرون ملک دینی خدمات انجام دے سکیں گے۔

محکمہ اوقاف کا ترتیب کردہ قدیم علوم دینیہ اور جدید علوم عصریہ کا مخلوط نصاب (آدھا تیتر آدھا بٹیر جو اس وقت محکمہ اوقاف کی درس گاہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں رائج ہے) علوم دینیہ عربیہ کے لئے تو تباہ کن ہے ہی علوم عصریہ اور حالات حاضرہ کی کما حقہ واقفیت اور انگریزی زبان کی قابلیت پیدا کرنے میں بھی ناکام ہے جن ناظرفدار لوگوں نے جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے نصاب اور انکی تعلیم وتدریس کی تفصیلات (کہ بخاری سال میں کتنی ہوتی ہے اور ہدایہ کتنی ہوتی ہے اور جلالین کتنی ہوتی ہے) کو قریب سے دیکھا ہے وہ اسکے شاہد ہیں۔

وما علینا الا البلاغ

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام

علی سید الانبیاء والمرسلین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

(جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ)

## حدود اسلام کی حفاظت علماء کا فرض منصبی ہے

حدود اسلام کی حفاظت اور پاسبانی یہ علماء امت کا فرض منصبی ہے جس کے بہر حال مکلف ہیں، اگر اسلامی حکمرانوں کا فرض منصبی ہے کہ وہ مملکت اسلامیہ کی جغرافیائی حدود کی حفاظت کریں تو علماء امت کا فریضہ ہے کہ وہ حدود دین اسلام کی حفاظت کی تدابیر سرانجام دیں، اور اگر غور کیا جائے تو دین اسلام کی حدود کی مملکت اسلامی کی حفاظت سے بھی زیادہ اہم ہے، اب اگر مملکت اسلامی کے چپہ چپہ کی پاسبانی ضروری ہے تو اس سے زیادہ اسلامی قوانین اور احکام کی پاسبانی بلکہ ہر ہر حکم وقانون کی پاسبانی ضروری ہے، اور اسلامی مملکت بھی صحیح معنی میں وہی ہوسکتی ہے جو دین اسلام کی محافظ ہو اور جس میں احکام اسلام کی تنفیذ وتحفظ کی ضمانت ہو، ظاہر ہے کہ مملکت خداداد پاکستان اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت اور پاسبانی کے لئے وجود میں آئی ہے، تمام تر کوشش اسی لئے تھی کہ مسلمانوں کے نفوس کو امن وامان نصیب ہو اور اسلامی احکام محفوظ ہوں اگر کسی اسلامی ملک میں اسلامی قوانین کی حفاظت نہ ہو تو اس اسلامی حکومت کو اسلامی کہنا بے معنی ہوجاتا ہے، ہر مملکت کی نوعیت اسکے دستور اور اس کے قوانین سے پہچانی جاتی ہے، جس طرح کمیونسٹ حکومت کا نظام اس کے دستور سے معلوم ہوگا اور جمہوری مملکت اس کے آئین سے معلوم ہوگی اس طرح ایک اسلامی مملکت میں غیر اسلامی اقلیت موجود ہے تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ان کو غیر مسلم کہنا جرم ہوگا، کوئی غیر مسلم صرف اسلامی مملکت میں رہنے سے تو مسلمان نہیں بنے گا، کافر کافر رہے گا اور مسلمان مسلمان، اگر کافر موجود ہے تو اسکو کافر کہنا پڑے گا اگر کوئی شخص اسلامی قوانین میں سے کسی بھی قانون کا انکار کرے گا تو وہ یقیناً کافر اور غیر مسلم قرار دیا جائے گا، اسلام کا تعلق نہ تو جغرافیائی حد بندی سے ہے نہ رنگ ونسل سے ہے نہ وطن سے ہے بلکہ دین



محمدی کی ایک ایک بات کو ماننے اور بغیر ہیر پھیر کے اس پر ایمان لانے اور یقین کرنے سے ہے، اس یقین کے اقرار کرنے کے لئے عنوان ہے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"، امید ہے کہ اہل انصاف کے لئے یہ چند اشارات کافی ہوں گے حق تعالے صحیح فہم نصیب فرمائے۔

واللہ سبحانه ولی التوفیق والهدایة وهو حسبنا ونعم الوکیل

(رمضان ۱۳۸۸ھ)

## علماء کی عظمت اور ان کا احترام اللہ کے دین کی وجہ سے ہے

اس وقت ملک جن خطرات سے دوچار ہے اس سے آپ بخوبی واقف ہیں اس وقت دو طبقے ہیں جن کے ذمہ میں فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ میدان میں اتر کر اس ملک کو خطرات کفر والحاد اور بے چینی کے تسلط سے بچائیں اور اسلام اور امن وسلامتی کے راستہ پر ملک کو چلا کر عزت وسرفرازی سے ہمکنار کریں۔

ایک طبقہ علماء کا ہے، علماء پر سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کامل اخلاص اور پوری تندہی سے اس وقت کام کریں وہ یہ سوچیں کہ اللہ تعالے نے جو کچھ ان کو عزت دی ہے وہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے دین مبین کا صدقہ ہے، مسلمانوں میں ہماری جو کچھ عظمت واحترام اور ادب ہے وہ سب اللہ کے دین سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ہے، آج اس ملک میں اسلام پر جو کچھ گذر رہا ہے یا گذرنے والا ہے اس میں علماء کیا کردار ادا کریں گے؟ دنیا کی آنکھیں اس کی طرف لگی ہوئی ہیں، علماء جو کچھ کریں گے تاریخ اپنے سفینوں میں اور قوم اپنے سینوں میں اسکو ہمیشہ محفوظ رکھے گی، آج علماء کے امتحان کا وقت آگیا ہے ضرورت ہے کہ ہم حق کہیں اور حق کے لئے کہیں اور حق تعالے جل مجدہ کی رضا وخوشنودی کے لئے کہیں اور جو کام کریں نفس کا شائبہ تک اس میں نہ ہو، وہ حدیث رسول

علیہ الصلاۃ والسلام تو علماء کے سامنے ہوگی اور پڑھی پڑھائی ہوگی:-

قیامت کے روز اللہ تعالٰے کے یہاں سب سے پہلے علماء، مجاہدین، سخاوت کرنے والوں کی پیشی ہوگی سب سے پہلے علماء کی باری آئے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے علم کس لئے حاصل کیا تھا؟ عرض کریں گے کہ تیری رضا کے لئے، ارشاد ہوگا: غلط کہتے ہو تم نے علم اس لئے حاصل کیا تھا کہ تم کو عالم کہا جائے اور لوگ تمہاری عزت کریں، چنانچہ ایسا ہوگا (لوگ تمہیں عالم کہنے لگے) پھر حکم ہوگا ان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دو اور وہ جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔

پھر اسی طرح مجاہدین کا نمبر آئے گا اور ان سے بھی یہی سوال و جواب ہو کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا، آخر میں سخاوت کرنے والے آئیں گے اور ان پر بھی یہی ماجرا گذرے گا۔

لہٰذا علماء ربانیین کا اہم فریضہ ہے کہ وہ سروں سے کفن باندھ کر میدان میں آجائیں، بہت بے حسی اور بے غیرتی کی بات ہوگی کہ دین پر نازک ترین وقت آجائے اور ہم خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہیں اور تاویلیں کرتے رہیں کہ ابھی عزیمت کا وقت نہیں، رخصت پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ ایسا نہیں ہوگا، علماء خاموشی سے نہیں بیٹھیں گے، انشاء اللہ ثم انشاء اللہ ہماری تو آرزو ہے کہ دین کے تقاضے ہم سے پورے ہوجائیں، الحمدللہ بیس سال سے شہادت کی آرزو سے اپنے سینہ کو گرم کر رکھا ہے اس سے بڑی کیا خوش نصیبی ہوگی کہ اس کی راہ میں شہادت نصیب ہو، لیکن ضرورت اسکی ہے کہ علماء کی طرف سے کام ہو مگر صحیح، درست، عقل اور تدبیر سے ہو اللہ کو راضی کرنے کے لئے اور اسکی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہو

وما ذلک علی اللہ بعزیز



## حکومت وقت کی تجاویز اور علماء کا ردعمل

غالباً چار سال کا عرصہ ہوا کہ کراچی کے ڈپٹی کمشنر جناب منیر صاحب نے کراچی کے چند منتخب خطباء اور ائمہ مساجد اور علماء کو بلایا تھا کہ صدر مملکت کی طرف سے چند ہدایات آئی ہیں کہ آپ کے حضرات کو پہنچادی جائیں:-

۱- فیملی لاز عائلی قوانین کی مخالفت نہ کی جائے۔

۲- خاندانی منصوبہ بندی اگرچہ قانون تو نہیں بنا ہے لیکن حکومت کی خواہش ہے کہ وہ کامیاب ہو، آپ اسکی بھی مخالفت نہ کریں۔

۳- مذہبی اختلافات کی بناء پر ہرگز کسی قسم کا نزاع اور تصادم نہ ہونے دیا جائے۔

۴- اقلیتوں کے خلاف (قادیانی، عیسائی، آغاخانی، اثنی عشری) کوئی قدم نہ اٹھائیں۔

۵- مساجد میں صلوٰۃ وسلام پر جو شدید اختلافات ہیں ان کو ختم کیا جائے، جہاں تک یاد ہے یہ ان ہدایات کا خلاصہ ہے۔

راقم الحروف نے انتہائی جرأت کے ساتھ عرض کیا:-

انتہائی افسوس کا مقام ہے جو قانون سابق ملعون دور میں بنا تھا اور قرآن وسنت اور اسلام کے بالکل مخالف تھا، پوری قوم نے اسکی شدید مخالفت کی تھی اور سابقہ حکومت کو مجبوراً اس کو دفن کرنا پڑا تھا آخر کون سی ایسی مصلحت ہے کہ اس متعفن (سڑی ہوئی) لاش کو قبر سے نکال کر ہمارے سروں پر مسلط کیا جارہا ہے؟ مسلمان حکومت کی اطاعت ہمارا مذہبی فریضہ ہے، لیکن اگر حکومت غیر اسلامی قانون بنانے لگے تو اس کی مخالفت بھی ہمارا مذہبی فریضہ ہے، اسکی اطاعت تو کیا اس پر سکوت بھی جرم ہے۔

۲- خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں علماء امت نے از روئے اسلام وعقل اور از
روئے اخلاق ومعاشرت غرض ہر پہلو سے اسکے نقائص اور خطرناک نتائج واضح کر دیئے
ہیں، اور خاص کر اس اسلامی ملک میں جو رسوا کن نتائج نمودار ہوں گے ان کی تفصیلات ایک
ایک کر کے عیاں کر دی گئی ہیں، ان حالات میں ہمارا اس کی موافقت کرنا یا خاموش رہنا بے
حد مشکل بلکہ بدترین خیانت ہے، اس سلسلہ میں جو کچھ اب تک کہا گیا حکومت کا فرض تھا کہ
کروڑوں روپیہ اس منصوبہ پر اندھا دھند خرچ کرنے سے پہلے اس پر ٹھنڈے دل سے غور
کرتی اور اپنے اس فیصلہ پر نظر ثانی کرتی، نام تو خانہ داری یا خاندانی منصوبہ بندی ہے صاف
کیوں نہیں کہتے کہ ''ضبط تولید'' کی تدبیر ہے؟

۳- مذہبی اختلافات کا دائرہ صرف علمی حد تک محدود رہنا ضروری ہے، اسٹیج پر عوام
کے سامنے ان مسائل کو لانا یقیناً غلط اور فساد کا موجب ہے، اخلاص ودین وعقل کا تقاضہ یہی
ہے کہ ان اختلافات کو علمی حلقوں اور تصنیف وتالیف کے دائرہ تک محدود رکھا جائے۔

۴- افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حکومت ان اقلیتوں کے ساتھ جو رواداری برت
رہی ہے یہ اقلیتیں اس سے غلط فائدہ اٹھا کر اپنے حدود سے بے جا تجاوز کر کے ملک کے
مسلمانوں کو مرتد بنا رہی ہیں، رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر ناقابل برداشت رکیک
حملے کر رہی ہیں قرآن کریم کو نشانہ بنا رکھا ہے، اس مارشل لا کے دور میں اور دفعہ ''۱۴۴'' کے
زمانے میں (اس وقت دفعہ ۱۴۴ نافذ تھی) ان کو عام جلسوں کی اجازت دی جاتی ہے،
مسلمانوں کے ملک میں اور اسلامی حکومت کے عہد میں اسلام کے خلاف زہر اگلا جاتا ہے
اور مسلمانوں کو آہ تک کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی یہ کہاں کا انصاف ہے؟ ابھی دو ماہ
پیشتر حیدر آباد میں اس مشنری کے فتنہ پردازی سے انتہائی شرمناک واقعہ پیش آچکا ہے تعجب
ہے کہ مینارٹی کے ساتھ اتنی رواداری اور میجارٹی کے ساتھ یہ بے رخی اور اتنی بے انصافی یہ



کیسی سیاست ہے؟

۵- صلاۃ وسلام فرض نمازوں کے بعد اعلان کر کے قیام کے ساتھ اور لوگوں کو اس پر
مجبور کرنا اور جو نہ کرے اس کو وہابی وغیرہ وغیرہ طعنے دینا یہ قطعاً اسلام اور اسلامی روح کے
منافی ہے، صلاۃ وسلام کا جو طریقہ عہد نبوت سے چلا آ رہا ہے وہی طریقہ باقی رہنا چاہیئے،
اس موقع پر مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی نے کچھ اپنے مسلک کی طرف سے صفائی پیش کی
تھی جس کا معقول جواب دیا گیا تھا۔

غرض یہ ہے کہ ہماری خواہش اور کوشش رہی ہے کہ حکومت وقت حالات کا صحیح جائزہ
لے کر اسلامی احکام کی عظمت وتوقیر کو اپنا فرض سمجھ کر قدم اٹھائے کہ اسلامی حکومت کا تقاضا
یہی ہے جب صدر محترم نے خود صدارتی الیکشن کے موقع پر صاف الفاظ میں یہ اظہار فرمایا
تھا کہ ''اگر میرے سامنے قوم قانون اسلام کا مطالبہ کرے گی تو میں سفید کاغذ پر دستخط کر کے
دے دوں گا''، سابق اسمبلی کے دور میں اراکین مرکزی اسمبلی نے ترمیمات فیملی لاز میں
پیش کی تھیں اور ان پر غور کرنے کے لئے سب کمیٹی بنائی گئی تھی، آخر اس کی کاروائی کو کیوں
دفنایا گیا؟ اس کے برعکس اس جدید عہد میں بی ڈی ممبران کو صریح ہدایت دی جاتی ہے کہ ان
قوانین کو عوام میں مقبول بنائیں اور ان پر عمل کرائیں، حالانکہ ملک کے تمام سربرآوردہ مستند
علماء کرام نے ان قوانین کے شریعت کے خلاف ہونے کو ثابت کرنے کے بارے میں کوئی
کسر باقی نہیں چھوڑی کوئی ایسا پہلو نہیں جو تشنہ رہ گیا ہو، ہماری آرزو اور خواہش تو یہی ہے کہ
صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صاحب جس طرح محبوب تھے آخر تک اسی طرح
محبوب رہیں، اور جس طرح سیاسی ودنیاوی اصلاحی کارنامے انجام دے چکے ہیں ٹھیک اسی
طرح دینی کارنامے بھی انجام دیں تاکہ خالق ومخلوق دونوں کے سامنے سرخ رو ہوں اور دنیا
وآخرت دونوں کی نعمتوں سے سرفراز ہوں۔

ہم صاف کہتے ہیں کہ مسئلہ اب بھی علماء سے پوچھا جائے گا نہ بنیادی ممبران سے نہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن سے نہ مشاورتی کونسل سے پھر کون سی مصلحت کا تقاضا ہے کہ قوم پر قرآن وحدیث کی تصریحات اور امت کے اجماعی مسائل کے خلاف قانون نافذ کرایا جائے؟

الدین النصیحه للّٰه ولرسوله ولکتابه ولأئمة المسلمین ۔

اللہ تعالےٰ ہمیں اور ہمارے حکمرانوں کو حق سمجھنے اور حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

(ربیع الاول ۱۳۸۶ھ، جولائی ۱۹۶۶ء)

## علماء کی شان کے مطابق علماء کے مناصب

اب رہا یہ کہ علماء دین کے وہ مناصب کیا ہیں جن کے ذریعہ وہ مسلمانوں کی دینی خدمت انجام دے سکیں؟ اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے وہ کون سے شعبے ہیں جو ان کے سپرد ہونے چاہئیں؟

اس سوال کا جواب بالکل صاف ہے کہ اسلام کے عروج کے دور میں انہی علماء میں سے حسب اہلیت علماء خلافت، حکومت، احتساب، قضا، افتاء، خطابت، تبلیغ دین، درس وتدریس، تصنیف وتالیف وغیرہ وغیرہ مناصب پر فائز تھے جبکہ علوم اسلامیہ میں دین ودنیا کی تفریق نہ تھی اور رجال دین ورجال دنیا کے درمیان کچھ زیادہ وسیع خلیج حائل نہ تھا اور نہ کوئی بنیادی تفاوت موجود تھا، دنیا کے تمام کام دین کی تعلیمات کی روشنی میں انجام پاتے تھے، لیکن اس دور میں بھی اگر مسلمان اپنے دین اسلام سے بالکل بے نیاز اور بے تعلق نہیں تو ان کے بچوں کیلئے تعلیم قرآن، ان کی مساجد کے لئے امام وخطیب ومؤذن، شب وروز کی زندگی میں پیش آنے والے معاملات میں شرعی احکام بتلانے کیلئے مفتیین اور علوم



دینیہ (قرآن وحدیث وفقہ) کی حفاظت کے لئے معاہد دینیہ ومدارس اسلامیہ میں تدریس کے مناصب تو اب بھی موجود ہیں پھر ان علماء کی فکر معاش کا بہانہ بنا کر کیوں مدارس دینیہ کی مخالفت کی جاتی ہے؟

پاکستان کی دس کروڑ آبادی میں کل علماء وطلباء علم کی تعداد پچاس ہزار سے زیادہ نہیں اگر مدارس اسلامیہ کی تعداد تقریباً ۲۰۰۰ بھی ہو تو مساجد کی تعداد کم از کم ایک لاکھ ہے، اگر مسلمان اس امر کا عہد کرلیں کہ ہر مسجد کا امام وخطیب باقاعدہ مستند عالم ہوگا تو ان طلبہ وعلماء کی تعداد اس ایک ہی دینی ضرورت کو پورا نہیں کرسکتی، درس قرآن وتعلیم اطفال وتعلیم قرآن حفظ وناظرہ نیز تدریس علوم دینیہ وافتاء یعنی مدرسین ومفتیین مدارس اسلامیہ کی ضرورت اسکے علاوہ رہے گی، آخر اس مروجہ دنیوی تعلیم کا مقصد تو یہی ہے تاکہ پیٹ کی پرورش ہوسکے اور حکومت کا دفتری نظام چل سکے لیکن جس کثرت سے لڑکوں اور لڑکیوں کی عصری تعلیم کا ہیضہ ملک میں پھیل رہا ہے کیا اس کی نسبت سے سرکاری عہدے اور منصب اتنے ہیں کہ سب کو جگہ دی جاسکے؟ پھر اس تعلیم کی اتنی مخالفت کیوں نہیں کی جاتی جتنی علوم دینیہ اور علماء دین کی کی جارہی ہے؟ درحقیقت مسئلہ صرف دینی علماء وطلبہ کی معاش کا نہیں ہے بلکہ دنیوی علوم کے فارغ التحصیل طلبہ کی معاش کا مسئلہ اس سے بدرجہا مشکل ہے۔

ایسی صورت میں بڑے افسوس کا مقام ہے کہ جو افراد اللہ اور اسکے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کے دین کی حفاظت کررہے ہیں اور امت محمدیہ کے لئے راہ سعادت ونجات کو محفوظ کررہے ہیں ان کو تو بیکار اور عضو معطل سمجھا جارہا ہے اور جن افراد کا معاشرہ میں صرف یہی مقام ہے کہ اپنے پیٹ بھرنے کی فکر کریں اور حکومت کی مشنری کو چلائیں ان کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔

''فیا للعجب ویا للاسف''!

## علماء کی معاشی مشکلات کا حل حکومت کی ذمہ داری ہے

دراصل اگر یہ علماء دین کی معاش کا مسئلہ کوئی مشکل ہے اور اس مشکل کو حل کرنا ضروری ہے تو اس کا حل صرف یہ ہے کہ حکومت کی وزارت تعلیم میٹرک تک کی تعلیم دینی اور دنیاوی مشترک رکھے بلکہ میٹرک تک کی تعلیم کی بنیاد دینی تعلیم پر ہو اور عربی زبان کی تعلیم وتدریس لازمی وضروری ہوتا کہ ایک میٹرک پاس طالب علم بھی بقدر ضرورت دونوں شعبوں کی خدمات انجام دے سکے، درحقیقت یہ مشکل خود حکومت نے اور اس کے غلط نظام تعلیم نے بلکہ برطانوی عہدے کے ملعون طریقہ تعلیم نے پیدا کی ہے اور شومئی قسمت سے آج تک اسی قے کو ہم چاٹ رہے ہیں، مختصر یہ کہ اس معاملہ میں اگر قصور ہے تو صرف جدید نظام تعلیم کا ہے، اگر ابتدائی تعلیم سے لیکر میٹرک تک کی تعلیم میں علم دین کا وافر حصہ شامل کرلیا جائے بلکہ زیادہ تر توجہ تعلیم دین پر ہی مرکوز ہو اور جدید حصہ پر توجہ ثانوی درجہ میں تو رجال دین اور رجال دنیا کی تفریق خود بخود ختم ہوجائے گی جس نے اس ملک کے معاشرے پر بہت برا اثر ڈالا ہوا ہے اور تکلیف دہ خلیج حائل ہوگئی ہے۔

اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

(ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ، اگست ۱۹۶۶)